حدیثِ افتراقِ اُمّت

تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں

مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا ولا تفرقوا.

حدیث افتراق اُمّت

تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں

مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری

ناشر

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف

سلسلۂ مطبوعات (۳۰)

☆ کتاب : حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں

☆ تصنیف : مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

☆ اشاعت بار اول : ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ/نومبر ۲۰۰۸ء

☆ تعداد : گیارہ سو (۱۱۰۰)

☆ کمپوزنگ : عثمانیہ کمپیوٹرز مدرسہ قادریہ بدایوں

☆ ناشر : تاج الفحول اکیڈمی بدایوں

☆ تقسیم کار : مکتبہ جام نور، ۴۲۲ مٹیا محل جامع مسجد دہلی

☆ قیمت :

مصنف سے رابطے کے لئے

MAULANA USAID UL HAQ QADRI

Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mohalla,
Budaun-243601 (U.P.) India
Phone : 0091-9358563720
E-Mail : qadriusaid@yahoo.com
usaid.qadri@gmail.com

فہرست مشمولات

عنوان	صفحہ

☆☆☆

اھـــداء

استاذ محترم

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد احمد المُسَیّر

(پروفیسر شعبۂ عقیدہ، فیکلٹی آف اصول الدین، الازہر الشریف، القاہرہ)

کی خدمت میں

جن کا ایک رسالہ

”قضیۃ التکفیر فی الفکر الاسلامی“

میرے اس مقالے کا محرک بنا

حرف آغاز

یہ غالباً ۲۰۰۲ء کی بات ہے جب میں ازہر شریف (مصر) میں تفسیر وعلوم قرآن کا طالب علم تھا، محبّ گرامی مولانا منظر الاسلام ازہری نے پروفیسر محمد احمد مسیر صاحب کی کتاب ''قضية التكفير فى الفكر الاسلامى'' مطالعہ کے لئے عنایت کی۔ اس کتاب میں مصنف نے دیگر مباحث کے ساتھ حدیث افتراق امت پر بھی گفتگو کی ہے۔ اس سلسلہ میں مصنف نے جو موقف اختیار کیا ہے اس پر مجھے تھوڑا تامل ہوا، کچھ احباب سے تبادلۂ خیال کیا مگر مسئلہ واضح نہ ہو سکا، بلکہ احباب سے گفتگو کے بعد حدیث افتراق امت کے معنی و مفہوم کو لے کر میں عجیب طرح کی بے اطمینانی کا شکار ہو گیا۔ شک وتردد، بے اطمینانی اور حق کی تلاش وجستجو بالآخر مجھے مطالعہ کی میز پر لے آئی، میں نے اس موضوع پر تحقیقی مطالعہ کا آغاز کر دیا۔ رفتہ رفتہ گرہیں کھلتی گئیں، حقائق منکشف ہوئے، شک وتردد ختم ہوا اور ایک اطمینانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ پھر جب ذرا فرصت ہوئی تو اپنے حاصل مطالعہ کو مقالہ کی شکل میں قلم بند کر دیا مگر اگلے کئی سال تک مقالہ کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ ایک نشست میں محبّ محترم مولانا خوشتر نورانی (مدیر اعلیٰ ماہنامہ جام نور دہلی) سے اس مقالہ کا تذکرہ ہوا، انھوں نے جام نور میں اشاعت کے لئے اصرار کیا، میں نے مقالہ ان کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ جام نور نے چار قسطوں میں (مئی تا اگست ۲۰۰۵ء) مقالہ کو شائع کیا۔

جام نور میں مقالہ کی اشاعت کے بعد بعض احباب نے اس میں اختیار کردہ موقف پر تشویش کا اظہار کیا، لہٰذا میں نے پوری سنجیدگی اور کشادہ قلبی کے ساتھ مقالہ پر نظر ثانی کی

اور اس موضوع پر مزید مطالعہ کیا، جتنا مطالعہ کرتا گیا اتنا ہی اپنے اختیار کردہ موقف پر اطمینان میں اضافہ ہوتا گیا۔ میں نے مقالہ میں بہت سے نئے حوالوں اور کچھ نئے مباحث کا اضافہ کیا، جن مقامات پر غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی ان کو اور واضح کیا، اب کامل اطمینان کے بعد یہ مقالہ کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ اہل علم کی بارگاہ میں عرض ہے کہ مجھے نہ ہمہ دانی کا زعم ہے اور نہ ہی دعویٔ عصمت، علوم اسلامیہ کا ایک معمولی طالب علم ہوں جس سے ہر قسم کی غلطی کا صد فی صد امکان ہے، لہٰذا اگر کوئی سنجیدہ اور علمی تنقید سامنے آتی ہے تو مجھے مقالہ پر نظر ثانی کرنے اور غلطی واضح ہونے کی صورت میں اپنی خطا کے اعتراف اور قبول حق میں کوئی تأمل نہیں ہوگا۔ (انشاءاللہ)

اللهم ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعه، وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه.

اسید الحق

تمہید

اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو ''خیر امت'' اور ''امت واحدہ'' کے خطاب سے نوازا ہے، جب تک وہ نفوس قدسیہ موجود رہے جن کو براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے اکتساب فیض کی سعادت حاصل تھی اور جن کو ''اشداء علی الکفار'' و ''رحماء بینھم'' کا تمغۂ فضیلت عطا کیا گیا تھا، اس وقت تک امت واحدہ کو افتراق وانتشار سے دوچار کرنے کی ساری جدو جہد ناکام ہوتی رہی۔ لیکن جیسے جیسے ان قدسی صفات حضرات کا سایہ اٹھتا چلا گیا اور زمانۂ نبوت سے دوری ہوتی چلی گئی ویسے ویسے نت نئے فتنے جنم لیتے گئے اور وہ امت واحدہ جس کی بنیادیں ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا'' (۱)

(اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں فرقوں میں تقسیم نہ ہو جاؤ)

کے قرآنی اصول پر قائم تھیں وہ آہستہ آہستہ جماعتوں، گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی۔ تقسیم در تقسیم کی ضرب کچھ ایسی کاری تھی کہ پہلے تو امت میں ۷۲ فرقے ہوئے پھر ہر فرقہ کم وبیش ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔

قرآن عظیم نے دین میں افتراق پیدا کرنا مشرکین کی علامت قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:- ''من الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعاً کل حزب بما لدیھم فرحون'' (۲)

(ترجمہ۔ اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے، ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہے۔) افسوس کہ ملت اسلامیہ کی حالت

اس سے کچھ مختلف نہیں ہے، امت کے افتراق کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نادان دوستوں سے زیادہ دانا دشمنوں نے اس میں کردار ادا کیا ہے۔ ابن سبا جیسے یہودی ہر دور میں پیدا ہوتے رہے اور امت میں افتراق پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں کرتے رہے، مصر میں سلاطین فاطمیہ کے دور میں ابن کلس اور غشتکین الدرزی جیسے یہودیوں نے امت میں تفرقہ پیدا کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ آخری صدیوں میں ان طاقتوں نے اہم کردار ادا کیا جن کی سیاست کا سب سے اہم رکن تفریق پیدا کرو اور حکومت کرو (Divide and Rule) تھا۔ الجزائر اور تیونس میں فرانس نے اپنا قبضہ مضبوط کرنے کے لئے سنی اور اباضی فرقوں کے اختلاف کو ہوا دی، روس نے ایران میں بابیت اور بہائیت کو پروان چڑھایا، ہندوستان میں بھی گزشتہ ایک صدی سے جو فرقے دیکھنے میں آرہے ہیں وہ سب برطانوی سامراج کی سازشوں کا نتیجہ ہیں اور آج بھی عراق میں اپنا ناجائز قبضہ برقرار رکھنے کے لئے شیعہ اور سنیوں میں اختلاف وانتشار کی آگ کو ہوا دی جارہی ہے۔

یہ تو وہ اختلافات ہیں جو عقائد یا اصول میں ہیں لیکن جو اختلافات فروعی مسائل میں ہوئے ان کی داستان بھی بڑی المناک ہے۔ امام ابن جریر طبری کو صرف اس جرم کی بنیاد پر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے روک دیا گیا کہ وہ حنبلی نہیں تھے بلکہ خود صاحب مذہب تھے (۳)

قزوینی نے احناف اور شوافع کے درمیان ہونے والے ان خونی معرکوں کا ذکر کیا ہے جن میں سیکڑوں مسلمان شہید ہوئے (۴)

دور کیوں جائیں ہمارے یہاں بھی کسی غیر منصوص مسئلہ پر تحقیق کے نام سے اختلاف شروع ہوتا ہے اور ''شریعت مطہرہ کے بالمقابل نئی شریعت کی داغ بیل ڈالنے'' کے الزام پر ختم ہوتا ہے اور جواب آں غزل کے طور پر فریق مخالف الزام لگانے والے کو تجدید ایمان، تجدید بیعت اور تجدید نکاح جیسی سخت شرعی تعزیرات کا مستحق قرار دے دیتا ہے۔

اس افتراق وانتشار نے امت کو علمی ،فکری، سیاسی اور سماجی ہر ہر سطح پر نقصان پہنچایا اور آج تک پہنچا رہا ہے، اس فرقہ بندی کا ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ تبلیغ اسلام اوراس کے دفاع سے زیادہ ہر فرقہ کو دوسرے فرقہ کے مقابلہ میں اپنے دفاع کی فکر ہوگئی اور ساری علمی وفکری قوتیں اسی میں صرف کردی گئیں اور آج تک کی جارہی ہیں، مسلک حق کا اثبات اور باطل افکار ونظریات کا ردوابطال ایک دینی فریضہ ہے، جس کی ہر حال میں ضرورت ہے تاکہ حق و باطل میں امتیاز رہے، لیکن ایک منظّم سازش کے تحت ہمیں ان مسائل میں الجھا دیا گیا تاکہ دوسرے اہم مسائل کی طرف سے توجہ ہٹی رہے، یہ سازش اس حد تک کامیاب رہی کہ آج تک ہم دامے، درمے، قدمے، سخنے انہی مسئلوں میں اپنی توانائیاں صرف کررہے ہیں، ملکی سطح پر مسلمانوں کو اندلس کی طرح جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی سازشیں ہوں یا عالمی سطح پر دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیاں، اپنے تحفظ و بقا اور وقار وتشخص کو درپیش ان خطرات کی طرف توجہ کرنے کا ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔

افتراق امت کے سلسلہ میں ایک حدیث پاک کا عام طور پر حوالہ دیا جاتا ہے جس میں سرور کائنات ﷺ نے امت کے مختلف فرقوں میں تقسیم ہو جانے کی خبر دی ہے، اصطلاح محدثین میں اس حدیث پاک کو ''حدیثِ افتراقِ امت'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، زیرنظر مقالہ میں ہم اس حدیث کا تحقیقی تجزیہ کرکے اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرینگے۔

حدیثِ افتراقِ امت

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ فرماتے ہیں:-

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال تفرقت اليهود على احدى و سبعين او اثنتين و سبعين فرقة والنصارى مثل ذلك و تفترق امتى على ثلاث و سبعين فرقة: قال ابو عيسى حديث ابى هريرة حسن صحيح(۵)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی ۷۱ یا ۷۲ (یہ شک راوی کی طرف سے ہے) فرقوں میں تقسیم ہوگئے اور اسی طرح نصاریٰ بھی تقسیم ہوگئے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ امام ترمذی نے فرمایا حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس کے بعد امام ترمذی نے افتراق امت کی ایک اور حدیث ذکر فرمائی ہے: —

"عن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليا تين على امتى ما اتىٰ على بنى اسرائيل حذ والنعل حتى ان كان منهم من اتى امه علانية لكان فى امتى من يصنع ذلك و ان بنى اسرائيل تفرقت على اثنتين و سبعين ملة و تفترق امتى على ثلاث و سبعين ملة كلهم فى النار الا ملة واحدة قالوا و من هى يا رسول الله قال ما انا عليه و اصحابى"(٦)

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ میری امت کو ٹھیک ٹھیک وہی سب کچھ درپیش ہوگا جو بنی اسرائیل پر گزرا، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا شخص گزرا ہو جس نے سرعام اپنی ماں سے بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی کوئی ایسا کرے گا۔ اور بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائیگی، وہ سارے فرقے جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقے کے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

ان دونوں حدیثوں کو امام ترمذی کے علاوہ امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ بعض روایات میں الفاظ میں تھوڑا بہت اختلاف ہے مگر بنیادی طور پر سب کا مفہوم ایک ہے۔

حدیث افتراق کی اسنادی حیثیت :- امام زیلعی نے تخریج کشاف میں اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث افتراق امت مندرجہ ذیل ۱۸/ اجلۂ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔(۱) حضرت ابوہریرہ، (۲) حضرت انس بن مالک، (۳) حضرت جابر، (۴) حضرت ابوسعید الخدری، (۵) حضرت ابن عمرو بن العاص، (۶) حضرت ابن عباس، (۷) حضرت ابن مسعود، (۸) حضرت ابن عمر بن خطاب، (۹) حضرت ابی بن کعب، (۱۰) حضرت ابوالدرداء، (۱۱) حضرت عویمر، (۱۲) حضرت ابو امامۃ، (۱۳) حضرت سعد بن ابی وقاص، (۱۴) حضرت واثلۃ بن اسقع، (۱۵) حضرت علی بن ابی طالب، (۱۶) حضرت معاویہ بن ابی سفیان، (۱۷) حضرت عمرو بن عوف (۱۸) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ان طرق میں بعض اصح ہیں بعض صحیح ہیں بعض حسن ہیں بعض غریب ہیں اور بعض ضعیف

ہیں، اس حدیث کی کثرت طرق کو دیکھ کر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بالجملہ یہ حدیث صحت کے اعلیٰ درجہ پر ہے، اور علی الاقل ''حدیث مشہور'' کہلانے کی مستحق ہے۔

کلھا فی النار الاواحدۃ:- حدیث کے اس آخری جز پر علمائے حدیث نے صحت وضعف کے اعتبار سے کلام کیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اصحابِ سنن میں سے جن تین حضرات امام ترمذی امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ آخری ٹکڑا نہیں ہے اور جن روایتوں میں یہ آخری جز ہے ان میں الفاظ کا تھوڑا بہت اختلاف ہے، یہ الگ بات ہے کہ مفہوم سب کا ایک ہے مثلاً:-

(۱) کلھا فی النار الاواحدۃ وھی الجماعۃ

(۲) الناجیۃ منھا واحدۃ الباقون ھلکی

(۳) کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ

(۴) اثنتان و سبعون فی النار و واحدۃ فی الجنۃ

(۵) واحدۃ فی الجنۃ وثنتان و سبعون فی النار

امام ترمذی نے اس زیادتی کے ساتھ جو حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی ہے اس کی سند کے بارے میں ان کا کہنا ہے:-

ھٰذا حدیث مفسر غریب لا نعرفہ مثل ھٰذا الا من ھٰذا الوجہ

یہ حدیث مفسر غریب ہے جس طریقہ سے ہم نے اس کو روایت کیا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے اس حدیث کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم۔

امام ترمذی نے اس کو غریب کیوں کہا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے شارح ترمذی امام ابوبکر ابن العربی المالکی فرماتے ہیں:-

''فی طریقہ عبدالرحمن بن زیاد الافریقی''(۷)

عبدالرحمٰن بن زیادہ پر یہ جرح کی گئی ہے:-

”لیس بقوی الحدیث و ان کان شیخا لا فریقیا و قاضیا لھا“
وہ قوی الحدیث نہیں ہیں اگر چہ افریقہ کے شیخ اور قاضی ہیں۔

امام احمد نے ابن زیاد پر جرح کرتے ہوئے ان کو منکر الحدیث کہا ہے۔ سنن ابی داؤد میں اس آخری جز کے ساتھ جو روایت ہے اس میں ایک راوی محمد بن عمر واللیثی ہیں، ان کے بارے میں علمائے جرح وتعدیل نے فرمایا ہے کہ ان کی روایت متابعات وشواہد میں تو قبول کی جائے گی لیکن اگر وہ کسی روایت میں منفرد ہوں تو ان کی روایت نہیں لی جائے گی۔ اسی روایت کو امام حاکم نیشا پوری نے مستدرک میں ذکر کیا ہے اور اس کو بشرط مسلم صحیح قرار دیا ہے۔ امام ذہبی نے اس پر نقد فرماتے ہوئے کہا ہے:-

”محمد بن عمر ولم یحتج به منفرداً ولکن مقرونا بغیره“

امام ابن ماجہ نے حضرت عوف بن مالک سے جو روایت لی ہے اس میں یہ آخری ٹکڑا ان الفاظ میں ہے:- واحدة فی الجنة و ثنتان و سبعون فی النار، اس سلسلۂ رواۃ میں ایک راوی عباد بن یوسف ہیں، اس طریقہ کے بارے میں صاحب زوائد فرماتے ہیں:

اسناد حدیث عوف بن مالک فیه مقال راشد بن سعد
قال فیه ابو حاتم صدوق و عباد بن یوسف لم یخرج له
احد سویٰ ابن ماجه ولیس له عنده سویٰ هٰذا الحدیث
قال ابن عدی رویٰ احادیث تفرد بها و ذکره ابن حبان
فی الثقات و باقی رجال الاسناد ثقات

عوف بن مالک والی حدیث کی اسناد میں کلام ہے، راشد بن سعد کے بارے میں ابوحاتم نے کہا ہے کہ وہ صدوق ہیں، عباد بن یوسف سے اصحاب صحاح میں سے سوائے ابن ماجہ کے اور کسی نے حدیث نہیں لی ہے اور عباد بن یوسف کی روایت کے ساتھ ابن ماجہ کے پاس بھی صرف یہی ایک حدیث ہے، ان کے بارے میں ابوحاتم نے کہا ہے

کہ انھوں نے (یعنی عباد بن یوسف نے) بہت سی ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں وہ منفرد ہیں، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور اس اسناد کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

امام ابن ماجہ ہی نے حضرت انس بن مالک سے ایک اور حدیث روایت کی ہے جس میں یہ آخری جز ہے "**کلھا فی النار الا واحدة وھی الجماعة**" اس حدیث کی سند پر یہ جرح کی گئی ہے کہ اس میں ایک راوی ولید بن مسلم ہیں اور ان کو علمائے جرح نے مدلس کہا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ

قداغرب باحادیث کثیرة ولم یشرکه فیھا احد

ولید بن مسلم نے بہت ساری ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں وہ منفرد ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس آخری جز کی زیادتی کے ساتھ جتنی روایتیں ہیں تقریباً اکثر میں کچھ نہ کچھ کلام کیا گیا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ ابن وزیر الیمانی نے اس آخری جز کا انکار ہی کر دیا، فرماتے ہیں:-

ایاک ان تغتر بزیادة کلھا فی النار الاواحدة فانھا زیادة فاسدة ولا یبعد انه دسیس الملا حدة(۸)

خبردار! تم اس زیادتی **کلھا فی النار الاواحدة** سے دھوکا مت کھانا کیونکہ یہ زیادتی درست نہیں ہے اور کوئی بعید نہیں کہ یہ ملاحدہ کی دسیسہ کاری ہو۔

ابن وزیر کے اس فیصلہ میں بہرحال شدت ہے جس سے اتفاق کرتے ہوئے اس آخری جز کو موضوع یا من گھڑت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ اس کے راویوں پر علمائے جرح وتعدیل نے کذاب یا وضاع یا **متھم بالکذب** جیسا کوئی سخت حکم نہیں لگایا ہے جتنی بھی جرحیں ہیں وہ سب ایسے اصطلاحی الفاظ میں ہیں جن سے صرف تضعیف ہوتی

ہے اور بعض جرحوں سے تضعیف بھی بہت ہلکے درجے کی ہوتی ہے، اگر بالفرض اس کو ضعیف بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس کے متابعات وشواہد اس کثرت سے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کوتقویت پہنچارہے ہیں۔اس لئے یہ زیادتی ضعیف نہیں رہے گی بلکہ حسن کے درجہ تک پہنچ جائے گی۔

حدیث افتراق کو موضوع قرار دینے کی ناکام کوشش

:- جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ ابن الوزیر الیمانی نے اس حدیث کے ایک جز کا انکار کیا ہے مگر بعض مدعیان علم واجتہاد نے اس پوری حدیث کوموضوع ثابت کرنے کی غیر مستحسن کوشش کی ہے، ان میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن البدوی سرفہرست ہیں، موصوف نے اس حدیث کوموضوع ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، لکھتے ہیں:-

الفرق الاسلامية لا تدخل تحت الحصر والمؤلفون الاسلاميّون المتقدمون الذين كتبوا عن الفرق و بخاصة من هم من اهل السنة ارادو ان يحصروها مستنادا الى حديث موضوع يروى عن ابى هريرة(۹)

اسلامی فرقے لاتعداد و بےشمار ہیں، متقدمین میں سے جن اسلامی مصنفین نے فرقوں کے بارے میں لکھا ہے خاص کر علمائے اہل سنت نے انہوں نے ابو ہریرہ سے مروی ایک موضوع حدیث کو بنیاد بنا کر اسلامی فرقوں کوتعداد میں محصور کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس حدیث کوموضوع ثابت کرنے کے لئے موصوف نے جو دلائل دیئے ہیں اگر اسی قسم کے دلائل کومعیار بنا کر احادیث کی صحت ووضع کا فیصلہ کیا جائے گا تو شاید صحاح ستہ کے ذخیرۂ احادیث میں آدھے سے زیادہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔وہ فرماتے ہیں:-

"لا يمكن ان يكون الحديث صحيحاً للاسباب التالية-

اولاً- ان ذكر هٰذه الاعداد المحدوده المتوالية

۷۱، ۷۲، ۷۳، امر مفتعل لا یمکن تصدیقه فضلا عن ان یصدر مثله عن النبی ﷺ (۱۰)

مندرجہ ذیل اسباب کی بنیاد پر اس حدیث کو صحیح قرار دینا ممکن نہیں ہے۔

(۱) یہ محدود اور مسلسل عدد ۷۱، ۷۲، ۷۳ کا ذکر ایک من گھڑت چیز ہے جس کی تصدیق ممکن نہیں چہ جائیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی بات ارشاد فرمائیں۔

دراصل یہ کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ایک دعویٰ ہے جو خود ایک دلیل کا محتاج ہے، آخر اس میں ایسی کونسی خلاف عقل بات ہے جس کی تصدیق ممکن نہیں؟ پھر لکھتے ہیں:-

ثانیاً - انه لیس فی وسع النبی ﷺ ان یتنبأ مقدماً بعدد الفرق التی سیفترق الیها المسلمون (۱۱)

(۲) یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار ہی میں نہیں ہے کہ مسلمان جن فرقوں میں تقسیم ہونے والے ہوں وہ پہلے سے اس کی پیشن گوئی کر دیں۔

ڈاکٹر بدوی کی یہ ایسی افسوسناک جسارت ہے جو کسی بھی حال میں قابل معافی نہیں ہے، احادیث کی صحت کو پرکھنے کا اگر یہ معیار درست تسلیم کرلیا جائے تو اس کے خطرناک ممکنات کا اندازہ لگانا مشکل ہے، اس کے نتیجہ میں ان ساری صحیح اور مشہور احادیث کو موضوع قرار دینے کا دروازہ کھل جائے گا جو حدوث فتن، علامات قیامت اور احوال قیامت وغیرہ کے متعلق ہیں:-

ثالثاً- لانجد لهٰذا الحدیث ذکراً فیما وردلنا من مؤلفات من القرن الثانی بل ولا الثالث الهجری لو کان صحیحاً لورد فی عهد متقدم۔ (۱۲)

(۳) اس حدیث کا ذکر ہمیں دوسری صدی میں تالیف کی جانے والی کتب میں نہیں ملتا بلکہ تیسری صدی کی کتب میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے، اگر یہ صحیح ہوتی تو اس کا ذکر شروع کے زمانے میں ہوتا۔

کسی حدیث کی صحت میں شک کرنے کا یہ ایک عجیب وغریب قاعدہ ہے جو شاید ڈاکٹر بدوی کی اپنی ایجاد ہے، حدیث کی معتبر ترین چھ کتب جن کو ہم ''صحاح ستہ'' کہتے ہیں ان میں سے کوئی بھی دوسری صدی میں تالیف نہیں کی گئی۔ صحاح کے مصنفین میں زمانے کے اعتبار سے سب سے مقدم امام بخاری ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۴ھ میں ہوئی ہے، لہٰذا اس سطحی دلیل کے نتیجہ میں صحاح ستہ کی وہ تمام احادیث جن کا ذکر ان سے پہلے کی کتب میں نہ ہو مشکوک ہو جائیں گی۔ پھر یہ کہنا کہ دوسری صدی تو کیا تیسری صدی کی کتب میں بھی اس حدیث کا ذکر نہیں ہے نہایت غیر تحقیقی بات ہے، کیونکہ ہم نے ذکر کیا تھا کہ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابوداؤداور امام ابن ماجہ نے اپنی اپنی کتب میں روایت کیا ہے اور یہ چاروں کتب تیسری صدی ہجری میں تالیف کی گئی ہیں۔ امام ترمذی کی ولادت ۲۰۹ھ اور وفات ۲۷۹ھ امام ابوداؤد کی ولادت ۲۰۲ھ اور وفات ۲۷۵ھ اور امام ابن ماجہ کی ولادت ۲۰۹ھ اور وفات ۲۷۳ھ میں ہے۔

ڈاکٹر بدوی کی طرح دور حاضر کے ایک اور ''روشن خیال'' مفکر اور دانشور ڈاکٹر محمد عمارہ نے بھی اس حدیث کی صحت بلکہ اس کے ثبوت پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے، انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں چار دلیلیں دی ہیں، ہمارے ناقص خیال میں اگر تحقیق وانصاف کی نظر سے ان چاروں دلیلوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان میں کوئی وزن نہیں ہے، اس قسم کی بے وزن دلیلوں سے ایک ایسی حدیث کی صحت کو مشکوک قرار نہیں دیا جا سکتا جو ۱۸؍جلیل القدر صحابہ سے حدیث کی معتبر ترین کتابوں میں اعلیٰ سند کے ساتھ مروی ہو۔ ڈاکٹر محمد عمارہ لکھتے ہیں:-

''نحن لا نمیل الیٰ التصدیق بأن هٰذاالحدیث هو من

الاحـاديث المعتمدة الموثقة التی لا یرقی الیھا الشک،
و ذلک لعدة اسباب"(۱۳)
ہم اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتے کہ یہ حدیث ان باوثوق اور معتمد احادیث میں سے ہے کہ جن میں شک نہیں کیا جاسکتا،اس کے چند اسباب ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے اس کے چار اسباب بتائے ہیں،یہ چار اسباب اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے،احادیث متواترہ میں سے نہیں ہے،خبر واحد امور عملیہ میں تو بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے لیکن امور اعتقادیہ میں یہ قابل حجت نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث کو صحیح ماننے سے ایک بڑا اہم مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ علم غیب جانتے تھے؟ حالانکہ قران کریم کی بے شمار آیات اس بات کی نفی کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ علم غیب جانتے تھے۔

(۳) یہ حدیث بتاتی ہے کہ یہود و نصاریٰ بھی ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے،لیکن مسلمان مؤرخین جنھوں نے تمام ملل اور نحل کے احوال لکھے ہیں،نہ انہوں نے اور نہ کسی غیر مسلم قلم کار نے ان دونوں قوموں کے ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہونے کا ذکر کیا ہے،اور نہ ہی ان کے ۷۲ فرقے شمار کیئے ہیں۔

(۴) جن لوگوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے،انہیں لوگوں نے اسلامی فرقوں کو شمار بھی کیا ہے،اسلامی فرقوں کی زمینی حقیقت اس حدیث میں بیان کیئے گئے عدد سے مناقض ہے کیونکہ فرقوں کی تعداد اس حدیث میں بیان کیئے گئے عدد سے کہیں زیادہ ہے۔

ان میں سے بعض دلائل کا جائزہ ہم گزشتہ صفحات میں لے چکے ہیں،اور کچھ کا جائزہ آئندہ

بحثوں کے ضمن میں آرہا ہے۔

امتی کا مفہوم :- قرآن وحدیث میں لفظ امت ایک سے زیادہ معنی کے لئے آیا ہے، یہ کہیں دین کے معنی میں آیا ہے کہیں قوم کے معنی میں اور کہیں جماعت کے لیے، یہاں ہمیں امت کے اس معنی سے بحث کرنا ہے جو قوم یا جماعت کے لیے آتا ہے، اولاً امت اس قوم کو کہتے ہیں جس کی طرف کوئی رسول بھیجا جائے۔ پھر اس قوم کے جو لوگ اس رسول پر ایمان لاتے ہیں وہ اس رسول کی امت اجابت کہلاتے ہیں اور اس قوم کے جو افراد رسول پر ایمان نہیں لاتے ان کو امت دعوت کہا جاتا ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ کی رسالت زمان ومکان کی قید سے ماوراہے، لہٰذا آپ کی بعثت مبارکہ سے لے کر قیامت تک جو بھی آپ پر ایمان لانے سے محروم رہا یا ایمان لا کر مرتد ہو گیا وہ آپ کی امت دعوت کا فرد ہے اور جو خوش نصیب آپ پر ایمان لائے یا قیامت تک لائیں گے وہ سب آپ کی امت اجابت میں داخل ہیں، قرآن کریم یا احادیث میں لفظ ''امت'' دعوت یا اجابت کی قید کے بغیر وارد ہوا ہے، اب سیاق وسباق اور قرائن سے یہ طے کیا جاتا ہے کہ کس جگہ امت کا کون سا معنی مراد ہے، ہم قرآن کریم سے ان دونوں کی ایک ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

(۱) ثم ارسلنا رسلنا تترا کلما جاء امة رسولها کذبوه (۱۴)

پھر ہم نے اپنے رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجا، جب جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا اس نے رسول کو جھٹلایا۔

یہاں امت سے امت دعوت مراد ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ جو امت اپنے رسول کو جھٹلائے گی وہ امت اجابت کیسے ہو سکتی ہے۔

(۲) وکذلک جعلنٰکم امة وسطاً لتکونوا شهداء علی الناس. (۱۵)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

یہاں امت اجابت مراد ہے جس پر ''وسطاً'' اور ''لتکونوا شھداء'' دلالت کررہا ہے۔
امت دعوت اور امت اجابت کی اس تشریح کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زیر بحث حدیث میں لفظ امت سے کون سی امت مراد ہے؟ بعض علماء کے نزدیک یہاں امت دعوت مراد ہے جب کہ علماء کی ایک بڑی تعداد یہاں امت اجابت مراد لینے کو زیادہ درست قرار دیتی ہے۔ ملا جلال الدین محقق دوانی فرماتے ہیں:-

ستفترق امتی ای امة الاجابة، قال بعض شراح الحدیث ولوحمل علی امة الدعوة لکان له وجه وانت تعلم بعده جداً فان فرق الکفر اکثر من ھٰذا العدد بکثیر (١٦)

ستفترق امتی: یعنی امت اجابت بعض شارحین حدیث نے کہا ہے کہ اسکو امت دعوت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے مگر تم جانتے ہو کہ یہ قول کتنا بعید ہے کیونکہ اہل کفر کے فرقے اس عدد سے کہیں زیادہ ہیں۔

یہ درست ہے کہ یہاں امت دعوت مراد لینے میں بہت سی قباحتیں ہیں لیکن جس قباحت کا ذکر محقق دوانی نے فرمایا ہے اس کا جواب بآسانی اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ بعینہٖ یہی اعتراض امت اجابت مراد لینے میں بھی ہوگا کیونکہ امت اجابت میں بھی فرقوں کی تعداد اس عدد سے کہیں زیادہ ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور پھر جو تاویلیں وہاں کی گئی ہیں وہی ساری تاویلیں یہاں بھی کی جا سکتی ہیں۔
محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی یہاں امت سے امت اجابت مراد ہونے کو ترجیح دی ہے، آپ فرماتے ہیں:-

مراد باُمت امتِ اجابت است، یعنی آنہا کہ اسلام آوردہ ودعوت ایمان را از آنحضرت ﷺ اجابت نمودہ اند (١٧)

امت سے امت اجابت مراد ہے، یعنی وہ لوگ جو اسلام لائے، اور آنحضرت ﷺ سے دعوت ایمان کو قبول کیا۔

تیرہویں صدی کی ایک بلند قامت شخصیت علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی نے بھی یہاں امت اجابت مراد ہونے کو ترجیح دی ہے، اپنے مجموعۂ فتاویٰ میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:-

> واقعی حدیث ''ستفترق امتی ثلث و سبعون فرقة'' ''قریب ہے کہ میری امت تہتر فرقوں پر منقسم ہو جائے گی میں مراد امت اجابت ہے کہ عبارت اہل اسلام سے ہے نہ امت دعوت (۱۸)

جن حضرات نے یہاں امت دعوت مراد ہونے کو ترجیح دی ہے ان میں مصر کے بلند پایہ محقق اور وسیع النظر محدث حضرت علامہ شیخ محمد ابراہیم الحسنی الکتانی کی ذات گرامی بھی شامل ہے، راقم الحروف کو آپ سے اجازت حدیث حاصل ہے نیز اس موضوع پر بالمشافہ گفتگو کا شرف بھی حاصل ہے۔آپ فرماتے ہیں:-

> ان احادیث میں جو لفظ امت وارد ہوا ہے اس سے دراصل امت دعوت مراد ہے اور اس میں وہ تمام ملل ونحل شامل ہیں جو آپ کی دعوت رسالت کی مخاطب ہیں، آپ کی بعثت سے لے کر قیامت تک، اور ان احادیث میں ''الا واحدة'' کے ذریعہ جو استثناء کیا گیا ہے اس میں الفاظ گو کہ مختلف ہیں کہیں **الجماعة** ہے کہیں **الملة** ہے کہیں **الفرقة** ہے کہیں **السواد الاعظم** ہے اور کہیں **ما انا علیه واصحابی** ہے مگر مدلول سب کا ایک ہی ہے اور وہ ہے امت اجابت یعنی امت اسلامیہ (۱۹)

یہاں امت دعوت مراد ہونے کی حمایت ہمارے استاذ گرامی علامہ ڈاکٹر محمد المسیر مدظلہ (پروفیسر کلیہ اصول الدین الازہر الشریف) نے بھی بڑی شدومد کے ساتھ کی ہے، آپ فرماتے ہیں:-

> **ان تفسير الأمة فی قوله امتی بأنها الامة الاسلامية ليس**

من اليقين في شئ فان امة الرسول هي امة الدعوة في المقام الأول ولا يراد بهاامة الاجابة الا بقرائن(۲۰)

آپ ﷺ کے فرمان ''امتی'' کی تفسیر امت اسلامیہ سے کرنا یہ یقینی بات نہیں ہے، اس لئے کہ سب سے پہلے تو رسول کی امت ''امت دعوت'' ہے، اس سے امت اجابت اسی وقت مراد لیا جاسکتا ہے جب اس کے قرائن موجود ہوں۔

پھر آپ نے کچھ قرآنی آیات نقل فرمائی ہیں جن میں امت سے امت دعوت مراد ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:-

اقول ان الحديث لم يقل و يفترق المسلمون كما قال افترقت اليهود و تفرقت النصارىٰ واليهود هم امة الاجابة لموسىٰ عليه السلام و النصارىٰ هم امة الاجابة لعيسىٰ عليه السلام فلما عبر بالامة ولم يستخدم كلمة المسلمين ساعد ذالک علی ترجيح ان الامة هي امة الدعوة لسيدنا محمد صلى الله عليه وسلم(۲۱)

میں کہتا ہوں کہ حدیث پاک میں یہ نہیں فرمایا کہ مسلمان تقسیم ہوں گے جس طرح کہ فرمایا یہود تقسیم ہو گئے اور نصاریٰ تقسیم ہو گئے، یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت اجابت ہیں تو جب آپ نے امت فرمایا مسلمین نہیں فرمایا یہ اس بات کی ترجیح کو تقویت دیتا ہے کہ امت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت مراد ہو۔

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آپ نے حتمی طور پر فرمایا ہے:-

ولعل مما يحسم الخلاف، ويرجح ان المراد بالامة امة

الـدعوة قول رسول الله صلى الله عليه وسلم كما فى صـحيـح المسلم" والذى نفس محمد بيده لا يسمع بى احد من هٰذه الامة يهودى ولانصرانى ثم يموت ولايؤمن بـالذى ارسلت به الا كان من اهل النار" فالمراد هنا قطعاً امة الدعوة. (۲۲)

اختلاف کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور اس بات کو ترجیح دینے کے لئے کہ امت سے مراد امت دعوت ہے حضور ﷺ کا یہ قول کافی ہے (جیسا کہ مسلم شریف میں ہے) کہ آپ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اس امت کے جس شخص نے بھی میرا پیغام سنا خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی اور اس حال میں مرا کہ جو دین مَیں لے کر بھیجا گیا ہوں اس پر ایمان نہیں لایا تو وہ دوزخی ہے"، یہاں یقینی طور پر امت دعوت مراد ہے۔

اپنی کم علمی کے اعتراف کے ساتھ ہمیں اس رائے سے کامل اتفاق کرنے میں تأمل ہے۔ یہ درست ہے کہ بغیر قرینہ کے امت اجابت مراد نہیں لی جاسکتی، مگر یہاں کچھ قرائن موجود ہیں جن کی روشنی میں امت اجابت ہی کو ترجیح دینا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے (ان قرائن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے) دوسری بات یہ کہ امت دعوت کو ترجیح دینے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں کہ چونکہ یہاں مسلمین نہیں فرمایا بلکہ امت فرمایا اس لئے امت سے مراد امت دعوت ہے، تیسری یہ کہ اگر مسلم شریف کی ایک حدیث میں یقینی طور پر امت دعوت مراد ہونا زیر بحث حدیث میں بھی امت دعوت مراد ہونے کی وجہ ترجیح بن سکتی ہے تو پھر وہ ساری احادیث جن میں یقینی طور پر امت سے امت اجابت مراد ہے وہ زیر بحث حدیث میں امت اجابت مراد ہونے کی وجہ ترجیح کیوں نہیں بن سکتیں؟ مسلم شریف کی اس حدیث میں سیاق وسباق اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس میں امت دعوت مراد ہے مگر

اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ اب ہر حدیث میں امت دعوت ہی مراد ہوگی خواہ اس کا سیاق و سباق کچھ بھی ہو؟۔

امتی کے سلسلہ میں ہمارا موقف :- زیر بحث حدیث میں امت سے امت اجابت مراد ہونا ہمارے نزدیک زیادہ صحیح ہے، اس معنی کو ترجیح دینے کی کئی وجوہات ہیں:-

(۱) حدیث پاک میں امت دعوت کی دو جماعتوں کا ذکر فرمایا ہے یعنی یہود ونصاریٰ اور بتایا گیا ہے کہ یہ اتنے فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور میری امت اتنے فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اب جس امت کی تقسیم کا ذکر ہے وہ ان دونوں کے علاوہ ہے۔

(۲) حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس امت کے افتراق کا ذکر ہے وہ آپ کے فرمان کے وقت منقسم نہیں ہوئی ہے بلکہ اب ہوگی، یہاں اگر امت اجابت کی جگہ امت دعوت مراد لے لی جائے تو پھر حدیث بے فائدہ ہو کر رہ جائیگی کیونکہ امت دعوت میں تو پہلے ہی سے متعدد فرقے اور جماعتیں موجود ہیں پھر اب تقسیم وافتراق کا کیا معنی رہ جائیگا۔

(۳) اگر امت اجابت مختلف فرقوں میں تقسیم نہ ہوئی ہوتی تو بلا شبہ امت دعوت مراد لینے کو ترجیح دی جاتی، مگر زمینی حقیقت خود اس بات کی تائید کر رہی ہے کہ امت مختلف فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے، لہٰذا یہاں امت اجابت مراد لینا واقعہ کے عین مطابق ہوگا۔

فرقوں کی تعداد :- حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائیگی، اگر چہ علامہ ابن جوزی نے حضرت انس بن مالک سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں بجائے ۷۳ کے ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہونے کی بات کی گئی ہے (۲۳) تاہم ۷۳ فرقوں والی روایت زیادہ صحیح ہے اور مشہور بھی یہی ہے۔

تاریخِ فرق پر لکھنے والوں میں ایک اہم نام امام ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی (متوفی ۴۲۹ھ) کا ہے انھوں نے اپنی مشہور کتاب "الفَرق بین الفِرَق" میں اسلامی فرقوں کو شمار کرتے ہوئے ان کی تعداد ۷۳ تک پہنچا دی ہے، اس کے بعد علامہ عبدالکریم الشھرستانی نے "الملل والنحل" تصنیف فرمائی، آپ کی وفات ۵۴۸ھ میں ہوئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب چھٹی صدی کے نصف اول میں لکھی گئی ہے، الشھرستانی فرماتے ہیں:-

اعلم أن لأصحاب المقالات طرقاً فی تعدید الفرق الاسلامیة لا علی قانون مستند الی اصل و نص، ولا علی قاعدة مخبرة عن الوجود، فماوجدت مصنفین منهم متفقین علی منهاج واحد فی تعدید الفرق (۲۴)

اسلامی فرقوں کو شمار کرنے کے لئے علماء نے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، یہ گنتی کسی ایسے قانون جو کسی اصل یا نص پر مبنی ہو یا کسی طے شدہ قاعدہ کے بغیر ہے، اس لئے تم اسلامی فرقوں کو شمار کرنے والے مصنفین کو کسی ایک طریقہ وقانون پر متفق نہیں پاتے۔

پھر شہرستانی نے چار قواعد وضع کئے ہیں جو ان تمام مسائل کا احاطہ کرتے ہیں جن میں اصولی اختلاف ہے، پھر فرماتے ہیں:-

فاذا تبینت المسائل التی هی قواعد الخلاف تبینت اقسام الفرق الاسلامیة، وانحصرت کبارها فی اربع بعد ان تداخلهابعضها فی بعض. کبار الفرق الاسلامیة اربع القدریة، الصفاتیة، الخوارج، الشیعة، ثم یترکب بعضها مع بعض و یتشعب عن کل فرقة اصناف فتصل الی ثلاث و سبعین فرقة (۲۵)

جب وہ مسائل متعین ہو گئے جن پر اختلاف مبنی ہے تو اس سے اسلامی فرقوں کی اقسام بھی طے ہو گئیں اور یہ فرقے چار بڑے فرقوں میں محصور ہیں اگر چہ ان میں سے بعض دوسرے بعض میں متداخل ہیں، وہ چار بڑے اسلامی فرقے یہ ہیں:- (۱) القدریہ، (۲) الصفاتیہ، (۳) الخوارج، (۴) الشیعہ۔ پھر ان میں سے ہر فرقے کی شاخیں اور قسمیں ہوئیں اور یہ ۷۳ فرقوں پہنچ گئے۔

شہرستانی کے بعد فرقوں کی تعداد شمار کرنے والوں میں علامہ ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) کا نام آتا ہے، انھوں نے فرقوں کو ۶ اصولی فرقوں میں تقسیم کیا ہے:- (۱) الحروریة، (۲) القدریة، (۳) الجهمیه، (۴) المرجئه، (۵) الرافضه، (۶) الجبریة۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے ۱۲-۱۲ فروعی فرقے شمار کر کے یہ تعداد ۷۲ تک پہنچا دی ہے۔ (۲۶)

علامہ عضد الدین الأیجی نے مواقف میں سات اصولی فرقے شمار کئے ہیں (۱) المعتزله اس کے ۲۰ فرقے ہیں (۲) الشیعه اس کے ۲۲ فرقے ہیں (۳) الخوارج اس کے ۲۰ فرقے ہیں (۴) المرجئه یہ پانچ فرقے ہیں (۵) النجاریه یہ تین فرقے ہیں (۶) الجبریة ان کا صرف ایک ہی فرقہ ہے (۷) المشبهه ان کا بھی صرف ایک فرقہ ہے (۲۷)

شیعہ عالم میر باقر داماد (صاحبِ افق المبین) نے یہ ۷۳ فرقے صرف شیعہ کے تسلیم کئے ہیں جس میں سے فرقۂ ناجیہ صرف شیعہ امامیہ کو مانا ہے، رہے اہل سنت اور معتزلہ وغیرہ تو ان کو میر باقر داماد امتِ اجابت میں داخل ہی نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک یہ لوگ امت دعوت کے زمرہ میں شامل ہیں۔ (۲۸)

محقق دوانی نے ابن المطہر اور نصیر الدین طوسی کے درمیان ہونے والے ایک مباحثہ کا ذکر کیا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے، محقق دوانی لکھتے ہیں:- (طوالت کے خوف سے ہم عربی عبارت حذف کر کے صرف ترجمہ پر اکتفا کر رہے ہیں)

ابن مطہر نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں فرقۂ ناجیہ کے تعین کو لے کر ہماری گفتگو استاذ نصیر الدین محمد طوسی سے ہوئی، طوسی نے کہا کہ فرقۂ ناجیہ وہی فرقہ ہوگا جو باقی فرقوں سے بہت زیادہ مختلف ہوگا اور یہ صرف شیعہ امامیہ ہوسکتا ہے کیونکہ یہی ایک فرقہ ہے جو باقی دوسرے فرقوں سے بہت واضح طور پر مختلف ہے، برخلاف دوسرے فرقوں کے کہ وہ اکثر اصول میں ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں، اس پر میں نے طوسی سے کہا کہ شیعہ اکثر اصول میں معتزلہ کے موافق ہیں بس چند مسائل میں اختلاف رکھتے ہیں اور وہ بھی مسئلۂ امامت سے متعلق ہیں جو کہ ایک فرعی مسئلہ ہے، اس لئے فرقہ ناجیہ ہونے کے زیادہ مستحق تو اشاعرہ ہیں اس لئے کہ ان کے اصول تمام فرقوں کے اصول سے مختلف ہیں اور ان کے ان اصول میں کوئی دوسرا فرقہ ان کا موافق نہیں ہے(۲۹)

۷۳ کے عدد پر اعتراض اور اس کا جواب :- فرقوں کو شمار کرنے میں ایک دشواری یہ پیش آئی کہ اگر ان فرقوں کو شمار کیا جائے جو اصول میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں تو یہ تعداد ۷۳ سے بہت کم ہو رہی ہے جیسا کہ ابھی ہم نے دیکھا کہ بعض حضرات نے اصولی فرقے ۴ر شمار کئے ہیں کسی نے ۶ اور کسی نے ۷ وغیرہ وغیرہ اور اگر ان فرقوں کو شمار کیا جائے جو بعض مسائل میں دوسرے سے مختلف ہیں اور بعض میں متفق تو یہ تعداد ۷۳ سے کہیں زیادہ ہو جائے گی، بلکہ بقول امام رازی صرف روافض کے ایک فرقہ امامیہ میں ہی ۷۳ فرقے ہو جائیں گے۔ اس الجھن کا شکار ہو کر بعض حضرات کو اس حدیث کی صحت میں شبہ ہو گیا، حاشیہ شرح مواقف میں علامہ حسن چلپی نے اس کا ذکر کیا ہے:-

طعن بعضهم فی صحة هٰذا الخبر فقال ان اراد باثنتین و سبعین فرقة اصول الادیان فلن یبلغ هٰذا العدد ان اراد

الفروع انها تتجاوز هٰذا العدد الى اضعاف ذلك. (۳۰)

بعض لوگوں نے یہ کہہ کر اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا ہے کہ اگر ۷۲ فرقوں سے اصولی فرقے مراد لئے جائیں تو یہ تعداد ۷۲ تک نہیں پہنچے گی اور اگر فروع مراد لی جائیں تو پھر فرقے اس تعداد سے کہیں زیادہ ہوجائیں گے۔)

امام فخر الدین رازی نے یہ اعتراض ذکر کر کے اس کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں:-

فان قيل ان هٰذه الطوائف التى عددتهم اكثر من ثلاث و سبعين و رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يخبر باكثر فكيف ينبغى أن يعتقد فى ذلك والجواب عن هٰذا: انه يجوز ان يكون مراده عليه السلام من ذكر الفرق : الكبار و ماعددنا من الفرق ليست من الفرق العظيمة وايضاً فانه أخبر أنهم يكونون على ثلاث و سبعين فرقة لم يجز ذلك أن يكونو أقل منها واما ان كانت اكثر فلا يضر ذلك، كيف ولم نذكر فى هٰذا المختصر كثيرا من الفرق المشهورة ولو ذكرنا ها كلها مستقصاة لجاز ان يكون اضعاف ما ذكرنا بل ربما وجد فى فرقة واحدة من الفرق الروافض وهم الامامية ثلاث و سبعون فرقة. (۳۱)

اگر اعتراض کیا جائے کہ جو فرقے آپ نے شمار کئے ہیں یہ ۷۳ سے زیادہ ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ کی خبر نہیں دی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرقوں سے مراد بڑے فرقے ہوں اور ہم نے جو فرقے شمار کئے ہیں وہ بڑے فرقے نہیں ہیں (اس لئے تعداد زیادہ ہوگئی ہے) اور پھر

یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ۷۳ فرقوں کی خبر دی ہے تو اب یہ ممکن نہیں ہے کہ فرقے اس سے کم ہوں البتہ اگر زیادہ ہوں تو حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، ہم نے اس مختصر رسالہ میں بہت سے مشہور فرقوں کا ذکر نہیں کیا ہے اگر ہم سب کا ذکر کریں تو شاید تعداد ہمارے بیان کردہ فرقوں سے دگنی ہو جائے، بلکہ ممکن ہے کہ روافض کے صرف ایک فرقے یعنی امامیہ میں ہی ۷۳ فرقے ہوں۔

محقق دوانی نے اس اعتراض کو وہم فاسد قرار دیتے ہوئے اس کے دو جواب دیئے ہیں:-

وما یتوهم من انه: ان حمل علی اصول المذاهب فهی اقل من هٰذا العددوان حمل علی ما یشمل الفروع فهی اکثر منه : توهم فاسد لا مستندله لجواز کون الا صول التی بینها مخالفة معتد بها بهٰذا العدد. وقد قیل : لعلهم فی بعض من الاوقات بلغوا هٰذا العدد وان زادوا اونقصوا فی اکثر الاوقات(۳۲)

یہ جو وہم کیا گیا ہے کہ اگر ان فرقوں کو اصول مذاہب پر محمول کیا جائے تو اس عدد سے بہت کم ہیں اور اگر فروع پر محمول ہو تو اس سے زیادہ ہیں: یہ وہم فاسد ہے اس کا کوئی سر پیر نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اصول جن میں مخالفت ہے ممکن ہے اس عدد کو پہنچ جائیں اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں فرقوں کی تعداد اس عدد تک پہنچ گئی (لہٰذا حضور کا قول سچ ثابت ہوا) اب اگر چہ اکثر اوقات میں یہ تعداد کم یا زیادہ ہو۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''شرح سفر السعادۃ'' میں فرماتے ہیں:-

مراد بلوغ بایں عدداست، وتواند کہ در وقتے زیادت ازاں نیز

گردد۔(۳۳)

یہ فرقے اس عدد (۷۳) تک پہونچ جائینگے ،(یعنی اس سے کم نہیں ہوسکتے) ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت میں اس سے زیادہ بھی ہوجائیں۔

یہاں ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ دراصل یہاں ۷۳ سے بعینہٖ یہ عدد مراد نہیں ہے بلکہ یہ صرف کثرت کے اظہار کے لئے ہے مثلاً اردو میں ہم کہتے ہیں ''یہ کتاب میں نے پچاس بار پڑھی ہے'' اس سے پچاس کا عدد مراد نہیں ہوتا بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہت بار پڑھی ہے، اسی طرح حدیث پاک میں ثلاث وسبعین یعنی ۷۳ سے یہ عدد مراد نہیں ہے، جس سے متذکرہ بالا اعتراضات وارد ہورہے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ میری امت بہت سارے فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی۔

علامہ شہاب الدین المرجانی نے شرح العقائد العضدیۃ کے حاشیہ میں یہ تاویل کرتے ہوئے مثال میں یہ آیت کریمہ نقل کی ہے:-

ثم فی سلسلة ذرعها سبعون ذراعاً فاسلکوه (۳۴)

پھر ایسی زنجیر میں اس کو جکڑ دو جس کی لمبائی ۷۰ ہاتھ ہو۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ۷۰ کا لفظ مبالغہ کے لئے ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس رسی کی لمبائی ۷۰ ہاتھ ہی ہو۔(۳۵)

پروفیسر محمد احمد الـمُسَیّر صاحب مدظلہ کے نزدیک بھی یہاں پر یہی تاویل درست ہے جب کہ ۷۳ سے بعینہٖ ۷۳ کا عدد مراد لینا ان کے نزدیک فہم قاصر ہے، فرماتے ہیں:-

یہاں عدد کا بعینہٖ مفہوم مراد نہیں ہے اور نہ ہی فرقوں کا حصر مقصود ہے، قرآنی اخبار وقصص میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں مثلاً- **ولو فی الارض من شجرة اقلام والبحر یمده من بعده سبعة ابحر مانفدت کلمات الله. (۳٦)**

''اور اگر زمین کے سارے پیڑ قلم بن جائیں اور سمندر ان کی سیاہی ہو اور اس کے ساتھ سات سمندر اور بھی ہوں پھر بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی''۔

سمندر خواہ سات ہوں یا ستر ہوں یا سات سو ہوں اللہ کے کلمات کسی حال میں ختم نہ ہوں گے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:-

استغفر لهم أو لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم (۳۷)

''آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا''۔

استغفار ۷۰ مرتبہ ہو یا کم و بیش ہو مگر بہر حال منافقین کے بارے میں اللہ کا حکم تبدیل نہیں ہوگا۔ ان مثالوں کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ بعینہ ۷۳ کے عدد پر اصرار کرنا فہم قاصر پر مبنی ہے (۳۸)

یہ درست ہے کہ قرآن و سنت میں سبعہ (۷) سبعون (۷۰) سبع مأۃ (۷۰۰) سبعۃ آلاف (۷۰۰۰) اور سبعین الف (۷۰۰۰۰) وغیرہ اپنے حقیقی معانی سے قطع نظر عدد میں کثرت اور مبالغہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں، ہر زبان کا اپنا ایک تعبیری اسلوب ہوتا ہے، اردو میں دسیوں، بیسیوں اور پچاسوں وغیرہ کہا جاتا ہے لیکن تیسیوں یا چالیسیوں وغیرہ کا استعمال نہیں ہے۔ اسی طرح ہزاروں کہا جاتا ہے ستر ہزاروں وغیرہ نہیں کہا جاتا، اب دیکھنا یہ ہوگا کہ اوپر دیئے گئے اعداد کے علاوہ بھی دوسرے عدد عربی زبان میں کثرت و مبالغہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا نہیں؟ کم از کم قرآن کریم میں تو ہمیں ایسی کوئی مثال نظر نہیں آئی، اگر زیر بحث حدیث میں سبعون فرقۃ یعنی ستر فرقے ہوتا تو ہمیں اس تاویل کو تسلیم کرنے میں کوئی تأمل نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حدیث کے اس مخصوص سیاق و سباق

کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ نصاریٰ ۷۱، یہود ۷۲ اور مسلمان ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوں گے۔اس لئے ہماری ناقص رائے میں یہ تاویل ایک دور کی کوڑی ہے جو نہ عربی زبان کے محاورات اور استعمالات سے میل کھاتی ہے اور نہ ہی حدیث کا سیاق وسباق اس کا متحمل ہے۔ہمارے خیال میں اس سلسلہ میں امام رازی کی تاویل زیادہ بہتر ہے جس کا ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا۔

حدیث افتراق کی عجیب و غریب تشریح :- مشہور مستشرق گولڈ زیہر (Gold Zihr) کا تعلق مستشرقین کے اس طبقہ سے ہے جو اسلامیات اور عربی زبان وادب پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے خلاف اپنے دلوں میں شدید بغض وعداوت رکھتا ہے، کسی کی اس انداز میں توہین کرنا کہ وہ اس کو اپنی عزت افزائی تصور کرلے یا کسی کا ایسا مذاق اڑانا کہ وہ اس کو اپنی تعریف سمجھے یہ بلا شبہ ایک فن ہے اور گولڈ زیہر کو اس فن میں مہارت حاصل تھی۔اسلامیات پر لکھتے ہوئے گولڈ زیہر نے اس فن کا خوب مظاہرہ کیا ہے، انھوں نے اسلامی افکار ونظریات اور واقعات وحوادث کی ایسی ایسی تاویلیں اور توجیہیں کی ہیں جو بظاہر بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہیں، ان تاویلوں کو دیکھ کر عوام تو عوام بعض خواص بھی دھوکا کھا گئے ہیں، لیکن جب معاملہ کی گہرائی میں جا کر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑا افراڈ تھا جس سے اسلام کی تعریف نہیں تنقیص مقصود تھی۔اسی قسم کی ''مدح نما قدح'' کا سہارا لے کر گولڈ زیہر نے زیر بحث حدیث میں بھی ایک عجیب وغریب تاویل کی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

> اسلام کی طرف کثیر فرقے اور جماعتیں منسوب ہیں، جن کی تعلیمات میں تنوع کے ساتھ ساتھ سخت تضاد ہے اور ان میں آپس میں زبردست اختلاف ہے، اس اختلاف کو وسیع کرنے اور بڑھانے میں اصل غلطی مسلم علماء کلام کی ہے، اس طور پر کہ انھوں نے ایک حدیث کا مطلب غلط سمجھ لیا، جب کہ درحقیقت وہ حدیث تو اسلام کی فضیلت،

عظمت اور شان میں اضافہ کر رہی ہے کیونکہ حدیث میں اسلام کو ۷۳ فضائل اور خوبیوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جب کہ یہود میں ۷۱ اور نصاریٰ میں ۷۲ فضائل کا ذکر ہے۔ علماء کرام نے یہاں پر غلطی کی، وہ یہ سمجھے کہ یہاں پر شاید فرقے اور جماعتیں مراد ہیں اور اپنے اس فہم خاطی پر اعتماد کر کے وہ پورے شدو مد سے فرقوں کو شمار کرنے میں مشغول ہو گئے جو ان کے نزدیک سب کے سب دوزخی تھے، حالانکہ ان کا یہ فہمِ حدیث اعلیٰ ظرفی، فراخدلی اور وسیع النظری کے سخت خلاف ہے۔ (۳۹)

دیکھا آپ نے کس خوبصورتی سے اس مستشرق نے حدیث پاک پر چوٹ کی ہے؟ عربی زبان وادب پر گولڈز یہر کی بڑی گہری نظر تھی، اس لیے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ان کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ فرقہ کا معنی فضیلت یا خوبی کسی بھی حال میں درست نہیں ہے، مگر جان بوجھ کر انھوں نے فرقہ کا یہ من گھڑت معنی بیان کر دیا، دراصل وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں فرقہ سے جماعت یا حزب مراد لینا تعصب وتنگ نظری ہے اور فراخدلی ووسیع القلبی کے منافی ہے اور چونکہ یہاں درحقیقت فرقہ کا معنی جماعت یا حزب ہی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث تعصب وتنگ نظری پر مبنی ہے اور فراخدلی ووسیع النظری کے منافی ہے۔

گولڈز یہر کی اس کتاب کے جواب میں مصر کے بہت بڑے عالم داعی اسلام شیخ محمد الغزالی نے ایک مستقل کتاب ''دفاع عن العقیدۃ و الشریعۃ ضد مطاعن المستشرقین" کے عنوان سے لکھی ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ انھوں نے گولڈز یہر کی اس عجیب وغریب منطق کے جواب میں جو بحث کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہے۔

کلھا فی الجنۃ الاواحدۃ -

افتراق امت کی اس زیر بحث حدیث کے علاوہ ایک دوسری حدیث بھی بعض کتابوں میں نقل کی گئی ہے جو بظاہر اس مشہور حدیث کے بالکل مخالف ہے۔ زیر بحث حدیث میں تو

یہ ہے کہ سوائے ایک کے باقی سب فرقے دوزخی ہوں گے مگر اس دوسری حدیث میں ہے کہ صرف ایک فرقہ دوزخی ہوگا باقی سب جنتی ہوں گے۔ امام العجلونی لکھتے ہیں:-

وروا ہ الشعرانی فی المیزان من حدیث ابن النجار و صحح الحاکم بلفظ غریب و ھو ستفترق امتی علی نیف و سبعین فرقة کلھا فی الجنة الاواحدة وفی روایة عند الدیلمی الھالک منھا واحدة قال العلماء ھی الزنادقة(۴۰)

شعرانی نے میزان میں ابن النجار کی حدیث روایت کی ہے اور حاکم نے بلفظِ غریب اسکی تصحیح کی ہے اور وہ حدیث یہ ہے ''میری امت ستر اور کچھ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی وہ سب کے سب جنتی ہوں گے سوا ایک کے اور دیلمی کے نزدیک ایک روایت میں ہے کہ ''ان میں سے ایک ہلاک ہونے والا ہے'' علماء فرماتے ہیں کہ ہلاک ہونے والا فرقہ زندیقوں کا ہے۔

امام عبدالوہاب الشعرانی کی میزان شریعة الکبریٰ کی دونوں جلدیں ہمارے پیش نظر ہیں مگر تادم تحریر ہم اس میں اس حدیث کو تلاش کرنے میں ناکام ہیں، ہاں البتہ امام شعرانی نے اپنی ایک دوسری کتاب ''الیواقیت والجواہر'' میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ امام شعرانی نے یہ حدیث شیخ ابوطاہر القزوینی کی کتاب سراج العقول کے حوالے سے نقل کی ہے اور قزوینی نے ابن النجار کے حوالے سے اس کو ذکر کیا ہے(۴۱)

اسی طرح حاکم نیشاپوری کی المستدرک بھی ہمارے سامنے ہے مگر اس میں بھی ہمیں وہ مقام نہیں ملا جہاں بقول امام العجلونی حاکم نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ دیلمی کی جس روایت کا ذکر العجلونی نے کیا ہے اس پر تحقیقی نظر ہم آئندہ صفحات میں ڈالیں گے امام العجلونی آگے فرماتے ہیں:-

وفـي هـامش الميزان المذكورة عن انس عن النبي صلى الـلـه عـلـيـه وسـلم بلفظ تفترق امتي على بضع و سبعين فـرقة كـلـهـا فـي الجنة الاواحدة وهي الزناد قة قال وفي رواية عنه ايضاً تفترق هٰذه الامة على بضع وسبعين فرقة انى اعلم أهدا ها الجماعة. (۴۲)

مذکورہ بالا میزان کے حاشیہ میں ہے کہ حضرت انس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں کہ ''میری امت ستر اور کچھ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، وہ سب کے سب جنتی ہوں گے سوا ایک کے اور وہ زنادقہ ہیں''۔ اور حضرت انس سے ایک روایت میں ہے کہ ''یہ امت ستر اور چند فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، میں جانتا ہوں کہ ان میں سب سے زیادہ ہدایت یافتہ فرقہ الجماعت ہوگی۔

امام العجلونی نے میزان کے جس حاشیہ کا ذکر کیا ہے وہ ہمارے علم میں نہیں کیونکہ امام شعرانی کی میزان کے ۴/ ۵ قدیم و جدید نسخے اب تک نظر سے گذرے ہیں مگر کسی پر کوئی حاشیہ نظر نہیں آیا۔ صاحب کشف الظنون نے بھی المیزان کے کسی حاشیہ یا شرح کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام العجلونی آگے فرماتے ہیں:-

ثـم رايـت مـا فـي هـامـش الـميـزان مذكوراً في تخريج احـاديـث مسـنـد الـفـردوس لـلحافظ ابن حجر و لفظهٗ تـفـتـرق امتي على بضع و سبعين فرقة كلها في الجنة الا واحـدة وهـي الزنادقة بسنده عن انس قال واخرجه ابو يـعـلـى مـن وجـه آخـر عـن انـس بلفظ اهداهـا فـرقة الجماعة(۴۳)

پھر میں نے دیکھا کہ جو حدیث میزان کے حاشیہ پر ہے وہی حافظ ابن حجر کی تخریج مسند الفردوس میں بھی مذکور ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ میری امت ستر اور چند فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی وہ سب فرقے جنتی ہوں گے سوا ایک کے اور وہ فرقہ زنادقہ کا ہے۔ اس کی اسناد حضرت انس سے ہے (ابن حجر) نے فرمایا کہ ابویعلی نے اس کو حضرت انس سے ایک دوسرے طریقہ سے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں "**أهداها فرقة الجماعة**".

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے مسند الفردوس اور حافظ ابن حجر کی تخریج کا تعارف کرانا ضروری ہے۔ دراصل حافظ ابوشجاع شیرویہ بن شہردار (م ۵۰۹ھ) نے احادیث کا ایک مجموعہ "**فردوس الأخبار بماثور الخطاب**" کے نام سے تالیف کیا ہے اس میں انھوں نے احادیث کی اسناد ذکر نہیں کی ہیں صرف صحابی کے نام پر اکتفاء کیا ہے۔ آپ کے صاحبزادے حافظ ابونصر شہردار بن ابی شجاع شیرویہ الدیلمی (م ۵۵۸ھ) نے فردوس الاخبار میں ذکر کردہ احادیث کی اسناد ایک کتاب میں جمع کر کے اس کا نام "مسند الفردوس" رکھا ہے، یہ دونوں کتابیں مطبوعہ ہیں اور دستیاب ہیں۔ حافظ ابن حجر نے مسند الفردوس کی احادیث کی تخریج کی ہے اور ان پر صحت وضعف کے اعتبار سے کلام کیا ہے۔ ان کی کتاب کا نام "زهرة الفردوس" ہے۔ فردوس الاخبار میں یہ حدیث ان الفاظ میں ہے:-

تفترق امتی علی بضع وسبعین فرقة کلها فی الجنة الا الزنادقة(۴۴)

مسند الفردوس میں اس کی سند یوں بیان کی گئی ہے:-

اخبرنا ابوثابت بن منصور اخبرنا جعفر بن محمد بن الحسین الابهری حدثنا صالح بن احمد الحافظ حدثنا ابراهیم بن محمد بن یعقوب حدثنا الحسن بن زولاق

حدثنا نعيم بن حماد حدثنا یحییٰ بن یمان عن یٰسین الزیات عن سعد بن سعید اخی یحییٰ عن انس قال: الخ

''زهرة الفردوس'' دستیاب نہیں ہوئی کہ دیکھا جاتا کہ حافظ ابن حجر نے اس سند پر کیا کلام کیا ہے، البتہ امام زاہد الکوثری فرماتے ہیں:-

وسکت علیه الحافظ ابن حجر فی زهرة الفردوس. (۴۵)

زہرۃ الفردوس میں حافظ ابن حجر نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔

فردوس الاخبار میں ایک دوسری حدیث ان الفاظ میں ہے:-

تفترق هٰذه الامة علی بضع و سبعین فرقة انی اعلم أهداها الجماعة (۴۶)

مسند الفردوس میں حافظ ابو نصر الدیلمی نے اس کی سند یوں بیان کی ہے:

اخبرنا عبدوس اخبرنا ابو منصور اخبرنا الدارقطنی حدثنا محمد بن ثابت حدثنا احمد بن داؤد حدثنا عثمان بن عفان القرشی حدثنا ابو اسماعیل حفص بن عبدالله الابلی عن مسعر عن سعد بن سعید عن انس الخ.

یہ وہی حدیث ہے جس کے بارے میں (بقول العجلونی) حافظ ابن حجر نے تخریج مسند الفردوس میں فرمایا تھا (جس کو ہم پیچھے نقل کر آئے ہیں) کہ ابو یعلی نے اس کو دوسرے طریقہ سے حضرت انس سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں اهداها فرقة الجماعة ابن عدی الجرجانی نے ابو یعلی کے جس طریقے کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:-

اخبرنا ابو یعلی حدثنا الحسن بن عرفة حدثنی یحییٰ بن یمان عن یاسین بن معاذ عن سعد بن سعید عن انس الخ (۴۷)

معجم ابی یعلی اور مسند ابی یعلی دونوں ہمارے پیشِ نظر ہیں، معجم میں الحسن بن عرفۃ سے ابو یعلی نے صرف ایک روایت ذکر کی ہے جس کا تعلق ایک دوسرے موضوع سے ہے۔ مسند

ابی یعلیٰ میں بھی ہمیں یہ حدیث نہیں ملی البتہ مسند میں ابو یعلی نے افتراق کی وہ مشہور حدیث دو مقامات پر نقل کی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ دونوں جگہ یہ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے (۴۸)

سوا ایک کے سب جنتی ہوں گے'' اس حدیث کا ذکر حجۃ الاسلام امام غزالی نے بھی اپنے رسالہ ''فصل التفرقة بين الاسلام والزندقة'' میں کیا ہے۔ آپ نے زندیقیت کے کئی درجات ذکر کئے ہیں ان میں سب سے خطرناک اور آخری درجہ الزندقة المطلقة کا ہے۔ جو لوگ الزندقة المطلقة تک پہنچ جاتے ہیں ان کے بارے میں امام غزالی ارشاد فرماتے ہیں:-

وظاهر ظنی والعلم عندالله ان هولاء هم المرادون بقوله عليه السلام ستفترق امتی علی بضع و سبعين فرقة كلهم فی الجنة الاالزنادقة وهی الفرقة. (۴۹)

میرا گمان ہے (اور اصل علم اللہ کے پاس ہے) کہ یہی لوگ حضور علیہ السلام کے اس قول میں مراد ہیں کہ میری امت ستر اور چند فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی وہ سب جنتی ہوں گے سوا زندیقوں کے اور یہ ایک فرقہ ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن احمد البشاری المقدسی نے پہلی مشہور حدیث کے مقابلہ میں اس حدیث کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے، انھوں نے پہلے اس حدیث کو ذکر کیا ہے پھر **كلها فی النار** والی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:-

هٰذا أشهر والا ول أصح اسناداً (۵۰)

یہ حدیث زیادہ مشہور ہے مگر اسناد کے اعتبار سے پہلی والی زیادہ صحیح ہے۔

اگر یہ دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہوں تو بظاہر یہ متعارض ہوں گی اور ان کے درمیان

تطبیق دینے کی کوشش کی جائیگی۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی نے ان دونوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے:-

لعل وجه التوفيق ان المراد باهل الجنه فى الرواية الثانية ولو مآلا فتأ مل (۵۱)

شاید ان دونوں میں وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ دوسری حدیث میں اہل جنت سے مراد مآل کے اعتبار سے اہل جنت ہیں۔

یعنی اپنی بعض گمراہیوں کی سزا پانے کے بعد وہ بالآخر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے لیکن شیخنا و مولانا السید محمد ابراہیم الحسینی الکتانی اس تطبیق سے متفق نہیں ہیں، فرماتے ہیں:-

ان العجلونى لم يصب فى التوفيق بين هٰذه الروايات قلت والحق فى هٰذه المسئله ان الا فتراق فى الامة حاصل على صورتين : الاولى افتراق امة الدعوة و تشير اليه الاحاديث التى سبق ذكرها فى المبحث الاول والثانية افتراق امة الا جابة وهو ما تشير اليه هٰذه الاحاديث التى ذكرها العجلونى نقلا عن الميزان (۵۲)

ان روایات کے درمیان تطبیق دینے میں العجلونی صواب پر نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ امت میں افتراق دو طریقہ کا ہے ایک تو امت دعوت میں افتراق جس کی طرف وہ احادیث اشارہ کرتی ہیں جو مبحث اول میں گزری ہیں (یعنی سوا ایک کے باقی سب دوزخی ہوں گے) اور دوسرا یہ کہ امت اجابت میں افتراق جس کی طرف وہ احادیث اشارہ کرتی ہیں جو العجلونی نے المیزان وغیرہ کے حوالہ سے نقل کی ہیں (یعنی سب جنتی ہوں گے سوا ایک کے۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں عرض کیا تھا کہ ہمارے نزدیک حدیث افتراق امت میں امت

سے امت اجابت مراد ہونا زیادہ صحیح ہے۔ اس تطبیق کی بنیاد اس بات پر ہے کہ وہاں امت سے امت دعوت مراد ہو اس لیے اس وجہ تطبیق سے ہمارے لیے اختلاف کی گنجائش ہے۔

امام غزالی نے ان دونوں احادیث کی تطبیق میں بڑا دلچسپ اور لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے، یہ اقتباس طویل ہے لہٰذا ہم صرف اس کے اُردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں:-

ان فرقوں میں صرف ایک ناجی ہوگا۔ اس سلسلہ میں روایتیں مختلف ہیں، ایک روایت میں ہے ان میں ایک ہلاک ہوگا، لیکن زیادہ مشہور پہلی والی روایت ہے اور ناجیہ کا معنی یہ ہے کہ وہ فرقہ نہ آگ میں ڈالا جائے گا اور نہ شفاعت کے ذریعہ جنت میں داخل ہوگا۔ بلکہ وہ جس پر دوزخ کے ہرکارے مسلط کیے جائیں کہ اس کو دوزخ کی طرف لے جائیں وہ درحقیقت ناجی نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ سب جنتی ہوں گے سوا زنادقہ کے اور یہ ایک فرقہ ہے۔ ممکن ہے یہ دونوں روایتیں صحیح ہوں، ایک فرقہ جس کو ہالکہ کہا گیا ہے یہ وہ فرقہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس لیے کہ **ھالک** عبارت ہے اس شخص سے جس کے صحیح ہونے کی امید منقطع ہوگئی ہو اور ناجیہ صرف اک فرقہ ہوگا یہ وہ فرقہ ہے جو بغیر حساب و کتاب اور بغیر شفاعت کے جنت میں داخل ہوگا۔ اس لیے کہ جس سے بھی حساب کتاب ہوگا وہ ضرور عذاب کا مزہ چکھے گا۔ لہٰذا اس کو ناجی نہیں کہا جا سکتا اور اسی طرح جو شخص شفاعت کے ذریعہ جنت میں داخل ہوگا اس کو بھی علی الاطلاق ناجی نہیں کہہ سکتے، تو گویا یہ دو طبقے ہو گئے (یعنی ایک ناجی اور دوسرا ہالک) ان میں سے ایک شر الخلق ہے اور ایک خیر الخلق ہے۔ باقی سارے فرقے ان دونوں کے درمیان ہیں، کچھ وہ ہیں کہ جن کا عذاب صرف یہ ہے کہ ان سے سخت حساب لیا جائے گا، کچھ وہ ہیں جو

صرف دوزخ کے قریب کیے جائیں گے اور پھر شفاعت کے ذریعہ جنت میں داخل کیے جائیں گے، کچھ وہ ہوں گے جو دوزخ میں داخل کیے جائیں گے اور پھر عقائد میں اپنی خطاء اور بدعات اور گناہوں کی کثرت وقلت کی مقدار عذاب دیے جانے کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور رہا فرقہ ہالکہ تو وہ صرف ایک ہی فرقہ ہوگا جو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔(۵۳)

کلها فی الجنة کی اسنادی حیثیت:- ان دونوں احادیث میں تطبیق کی ضرورت اس وقت ہوگی جب پہلی کی طرح دوسری حدیث کو بھی صحیح الاسناد تسلیم کیا جائے، مگر یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس دوسری والی حدیث کو موضوعات پر لکھنے والے اکثر مصنفین نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔امام ابن الجوزی نے اس حدیث کے تین طرق ذکر فرمائے ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں:-

هٰذا الحديث لا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال علماء الصناعة وضعه الابرد وكان وضاعاً كذاباً واخذه منه يٰسين فقلب اسناده و خلطه و سرقه عثمان بن عفان واما الابرد فقال محمد بن اسحاق بن خزيمة كذاب وضاع اما ياسين فقال يحيىٰ ليس حديثه بشئ وقال النسائى متروك الحديث(۵۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس حدیث کی اسناد صحیح نہیں ہے، اس فن کے ماہر علماء فرماتے ہیں کہ اس کو الابرد نے گڑھا ہے جو وضاع و کذاب تھا پھر اس سے یاسین نے لیا اور اس کی سند کو الٹا پلٹا کر دیا اور اس سے عثمان بن عفان نے چرایا، ابرد کے بارے میں ابن خزیمہ نے کہا کہ وہ وضاع اور کذاب ہے اور یاسین کے بارے میں یحییٰ نے کہا

کہ اس کی احادیث معتبر نہیں ہیں اور نسائی نے کہا کہ وہ متروک الحدیث ہے۔

آخر میں ابن جوزی اس حدیث کے بارے میں اپنا آخری فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وهٰذ الحديث على هٰذ اللفظ لا اصل له۔ (۵۵)

ان الفاظ میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

مسند الفردوس کے حوالہ سے ہم نے اس حدیث کی جو سند نقل کی تھی اس میں ایک نام یاسین الزیات کا بھی تھا، یاسین الزیات کے بارے میں ابن معین کی رائے آپ پڑھ چکے، ان کے بارے میں ابوحاتم محمد بن حبان فرماتے ہیں:-

ياسين الزيات كنيّته ابو خلف من اهل الكوفة انتقل الى اليمامة و اقام بها ثم سكن الحجاز يروى عن ابى الزبير والزهرى روىٰ عنه عبدالرزاق وكان ممن يروى الموضوعات عن الثقات لا يجوز الاحتجاج به بحال. (۵٦)

یاسین الزیات کی کنیت ابو خلف ہے یہ کوفہ کا رہنے والا تھا پھر یمامہ منتقل ہوگیا اور وہاں اقامت اختیار کی، پھر حجاز میں رہا، یہ ابوالزبیر اور زہری سے روایت کرتا ہے اور اس سے عبدالرزاق نے روایت کی ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو ثقات سے موضوع حدیثیں روایت کرتے ہیں، اس سے کسی بھی حال میں احتجاج جائز نہیں ہے۔

امام العقیلی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:-

كلها فى الجنة الا الزنادقة هٰذا حديث لا يرجع منه الى صحة ولعل ياسين اخذه عن ابيه او عن ابرد هٰذا وليس لهٰذا الحديث اصل من حديث يحيىٰ بن سعيد ولا من

حدیث سعد(۵۷)

کلها فی الجنة الا الزنادقة اس حدیث کا صحت سے کوئی واسطہ نہیں، غالباً اس کو یاسین نے اپنے والد یا پھر ابرد سے لیا ہے۔ یحییٰ بن سعید اور سعد کی احادیث میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر اس حدیث کے مختلف طرق اور مختلف الفاظ پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

ولہ طرق اخری عن یٰسین فقال تارة عن یحییٰ بن سعید و تارة عن سعد بن سعید وھٰذا اضطراب شدید سنداً و متناً والمحفوظ فی المتن تفترق امتی الی آخر الحدیث ما انا علیه واصحابی وھٰذا من امثلة مقلوب المتن. (۵۸)

اس حدیث کے یٰسین سے کچھ اور طرق بھی ہیں، کبھی وہ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں اور کبھی سعد بن سعید سے یہ سند اور متن میں زبردست اضطراب ہے اور متن کے اعتبار سے محفوظ و معتبر **تفترق امتی الیٰ آخر الحدیث ما انا علیه وأصحابی** ہے۔ یہ مقلوب المتن احادیث میں سے ہے۔

ملا علی قاری نے بھی اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے ”المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع“ میں فرماتے ہیں:-

”لا اصل له“ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (۵۹)

اس کے علاوہ ملا علی قاری نے اپنی دوسری کتاب الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة میں بھی اسکو موضوع قرار دیا ہے (۶۰) امام ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی نے تنزیہ الشریعة المرفوعة میں (۶۱) ابوالمحاسن محمد القاوقجی الطرابلسی نے اللؤ لؤ المرصوع میں (۶۲) حافظ جلال الدین السیوطی نے اللآلی المصنوعة میں (۶۳) اور قاضی شوکانی نے الفوائد المجموعہ میں (۶۴) اس کو موضوع قرار دیا ہے، بالفرض اگر یہ

روایت موضوع نہ بھی ہوتو کم سے کم جو حکم لگایا جائے گا وہ ضعف کا ہوگا۔اب ظاہر ہے کہ یہ حدیث افتراق امت کی مشہور والی حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی کیونکہ اس کی صحت کو ہم گزشتہ اوراق میں ثابت کرآئے ہیں۔حدیث افتراق کا آخری جز کلھا فی النار الا واحدۃ اس پر ہم نے عرض کیا تھا کہ یہ حسن ہے۔اب آئندہ سطور میں ہم اس جز کے معنی ومفہوم پر ایک نظر ڈالیں گے۔

کلھا فی النار کا مفہوم :- امت کے ان ۷۳ فرقوں میں ۷۲ دوزخی ہوں گے،اس بات کو زبان رسالت نے ”کلھا فی النار“ سے تعبیر کیا ہے،کسی کے دوزخی ہونے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:(۱) کسی کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل کردیا جائے،اس کو قرآن وسنت کی اصطلاح میں ”**خلود فی النار**“ کہتے ہیں۔ (۲) کسی کو دوزخ میں ڈالا جائے اور اس کے گناہوں کی سزا دے کر اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے،یا پھر دوزخ میں ڈال کر محض اللہ تعالیٰ کے فضل یا کسی کی شفاعت کے ذریعہ اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے،اس دوسری صورت کو ”**دخول فی النار**“ کہتے ہیں۔

”**خلود فی النار**“ کفار ومشرکین کے لیئے ہے،ان کے لیے قرآن وسنت میں ”**خالدین فیھا ابداً**“ وغیرہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں،کیونکہ کفر وشرک ایسے گناہ ہیں جن کی بخشش نہیں ہے اور ان کے مرتکب کے لیے دائمی عذاب ہے اور دوسری صورت ان اہل ایمان کی ہے جن سے شیطان کے بہکاوے میں آکر گناہ سرزد ہوئے،ایسے لوگوں کے لیے دائمی عذاب نہیں ہے بلکہ گناہوں کی مقدار سزا دے کر یا محض فضل الٰہی سے یا پھر شفاعت کے ذریعہ ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا،کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے عذاب پر سبقت کرتی ہے اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا،بہر حال اس کی بخشش کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔امام بخاری حضرت ابوسعید الخدری سے روایت فرماتے ہیں:-

ان النبی ﷺ قال اذا دخل اھل الجنة الجنة واھل النار

النار يقول الله من كان فی قلبه مثقال حبة خردل من ایمان فاخرجوه(٦٥)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالی ارشاد فرمائیگا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو۔

"فلان فی النار" یعنی فلاں دوزخی ہے یہ اور اس سے ملتے جلتے الفاظ قرآن وسنت میں ہر جگہ "خلود فی النار" کے معنی میں نہیں آئے ہیں، بلکہ اس قسم کے الفاظ سے کہیں "**خلود فی النار**" مراد ہوتا ہے اور کہیں ان سے صرف "**دخول فی النار**" مراد ہے۔

مثال کے طور پر امام بخاری روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:-

اذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول فی النار(٦٦)

جب دو مسلمان اپنی تلوار کے ساتھ (قتل کے ارادے سے) ملیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔

اس حدیث مبارک میں "فی النار" سے " خلود فی النار" نہیں بلکہ " دخول فی النار" مراد ہے، ظاہر ہے کہ مسلمان کا قتل کرنا کفر نہیں ہے جس کی پاداش میں قاتل کو "خلود فی النار" کی سزا دی جائے، ہاں مسلمان کا قتل گناہ کبیرہ ہے جس کا مرتکب فاسق ہے اور اس کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:-

القضاة ثلاثة واحد فی الجنة واثنان فی النار فاماالذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضی به،ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فهو فی النار ورجل قضیٰ للناس علی جهل فهو فی النار.(٦٧)

قاضی تین طرح کے ہیں، ایک جنت میں ہے اور دو جہنم میں، جنتی وہ ہے جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا، اور وہ جس نے حق کو پہچانا لیکن پھر بھی فیصلہ میں ظلم کیا وہ جہنم میں ہے، اور وہ شخص جس نے بغیر علم کے فیصلہ کیا وہ بھی جہنم میں ہے۔

اس حدیث پاک میں بھی دو جگہ "فی النار" کا لفظ آیا ہے اور دونوں جگہ یہ "دخول فی النار" کے معنی میں ہے۔

بلکہ قرآن کریم میں تو ایک مقام پر "خلود فی النار" کی صراحت کے باوجود وہاں اہل سنت کے نزدیک "دخول فی النار" مراد ہے، ارشاد باری ہے:-

ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا(٦٨)

اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے اس میں "مدتوں" رہیگا۔

آپ نے دیکھا کہ یہاں صراحتاً لفظ خلود وارد ہوا ہے اس کے باوجود ہمارے علماء نے یہاں خلود سے اس کا حقیقی معنی نہیں بلکہ "طول مکث" مراد لیا ہے، جس کا ترجمہ "مدتوں" سے کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زیر بحث حدیث میں "کلھا فی النار" سے کیا مراد ہے؟ اگر یہاں "فی النار" کا مطلب "دخول فی النار" ہے تو وہ ۷۲ فرقے مبتدع، ضال اور مضل تو ہو سکتے ہیں مگر حد کفر تک نہیں پہنچیں گے اور حد کفر تک نہ پہنچنے کا مطلب یہ ہوا کہ عقیدہ میں ان کا انحراف اور جادۂ حق سے ان کی گمراہی جس قدر ہوگی اسی قدر ان کو دوزخ میں رکھا جائے گا اور پھر بالآخر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

بعض غیر محتاط اور متشدد لوگوں نے یہاں "خلود فی النار" مراد لے کر فرقوں کی تکفیر کے دائرہ کو وسعت دینے کی کوشش کی ہے، لیکن ہمارے اکابر علمائے اہل سنت نے محتاط

موقف اختیار کرتے ہوئے یہاں صرف "دخول فی النار" مرادلیا ہے اوران کے نزدیک یہ ۷۲ فرقے ضال و مضل ہوں گے، کافرنہیں ہوں گے اور بہر حال ان کو امت اسلامیہ کا حصہ سمجھا جائیگا، اس سلسلہ میں امام غزالی کا موقف ہم نے گزشتہ صفحات میں نقل کیا تھا۔ یہ موقف صرف ایک امام غزالی کا نہیں ہے بلکہ جمہور اشاعرہ اور ماتریدیہ کا یہی موقف ہے، اس سلسلہ میں چند شواہد ہدیۂ قارئین ہیں۔

امام اشعری کی رائے:-

امام اہل سنت امام ابوالحسن الاشعری (متوفی ۳۲۴ھ) اپنی کتاب "مقالات الاسلامیین" کے آغاز میں فرماتے ہیں:-

اختلف الناس بعد نبیھم ﷺ فی اشیاء کثیرۃ ضلل فیھا بعضھم بعضاً وبرئ بعضھم من بعض فصاروا فرقاً متبائنین واحزاباً متشتتین الا ان الاسلام یجمعھم ویشتمل علیھم. (٦٩)

نبی کریم ﷺ کے بعد لوگوں کے درمیان بے شمار چیزوں میں اختلاف واقع ہوگیا، بعض نے بعض کو گمراہ قرار دیا اور بعض نے بعض سے برأت ظاہر کی، تو یہ الگ الگ فرقوں اور مختلف احزاب میں تقسیم ہو گئے، ہاں مگر اسلام ان سب کو جامع ہے اوران سب پر مشتمل ہے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام اشعری ان فرقوں کو اسلام سے خارج نہیں مانتے بلکہ ان کی گمراہی کے باوجود ان سب فرقوں کو اسلام میں شامل ہی تسلیم کرتے ہیں، امام اشعری کا یہ موقف ان کی کتاب کے نام سے بھی ظاہر ہے انہوں نے اپنی کتاب کا نام "مقالات الاسلامیین" رکھا ہے، یعنی اہل اسلام کے مقالات، اور پھر اس کتاب میں خوارج، روافض اور معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے عقائد اور مقالات ذکر فرمائے ہیں، اگر ان فرقوں کو وہ اسلام سے خارج سمجھتے تو کتاب کا نام "مقالات الاسلامیین" نہ ہوکر

"مقالات المرتدّین" ہونا چاہیے تھا۔

امام ابوالمظفر الاسفرائنی کی رائے:-

امام ابوالمظفر الاسفرائنی (متوفی ۴۷۱ھ) جن کا شمار اشاعرہ کے طبقۂ رابعہ میں ہوتا ہے انھوں نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے کہ یہ ۷۲ فرقے ملت اسلامیہ میں ہی شمار کیے جائیں گے، اپنی مشہور کتاب "التبصیر فی الدین و تمییزالفرقة الناجیة عن الفرق الھالکین" میں انھوں نے پہلے ان ۷۲ فرقوں پر کلام کیا ہے پھر ۱۳/واں باب ان فرقوں کے بیان کے لیے خاص کیا ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج ہیں، فرماتے ہیں:-

الباب الثالث عشر فی بیان فرق اھل البدع الذین ینتسبون الی الاسلام ولا یعدون فی زمرة المسلمین ولا یکونون من جملة الاثنتین والسبعین. (۷۰)

تیرہواں باب ان مبتدع فرقوں کے بیان میں جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ ان کا شمار مسلمانوں کے زمرے میں نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی وہ من جملہ ان ۷۲ فرقوں میں سے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام اسفرائنی کے نزدیک وہ ۷۲ فرقے جن کو حدیث میں دوزخی یا "الھا لکۃ" کہا گیا ہے وہ زمرۂ مسلمین میں شمار کیے جائیں گے۔اس باب میں امام اسفرائینی نے سبائیہ جیسے فرقوں کا ذکر کیا ہے جو بالاجماع کافر ہیں لہٰذا وہ ان ۷۲ میں شامل ہی نہیں ہے۔

امام بیہقی کی رائے:-

شعب الایمان اور دلائل النبوۃ جیسی شہرۂ آفاق کتابوں کے مصنف امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (ولادت: ۳۸۴ھ وفات: ۴۵۸ھ) اپنی کتاب "الاعتقاد" میں فرماتے ہیں:-

واما تخلید من عداھم من اھل البدع فی النار فھو مبنی علی تکفیرھم فمن لم یکفرھم أجراھم بالخروج من

النار بأصل الايمان مجرىٰ الفساق المسلمين وحمل الخبر على تعذيبهم بالنار مدة من الزمان دون الابد واحتج فى ترك القول بتكفيرهم بقوله ﷺ تفترق امتى فجعل الجميع مع افتراقهم من امته(۷۱)

اور رہی یہ بات کہ ان کے علاوہ باقی اہل بدعت ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے تو یہ ان کے کافر ہونے کی بنیاد پر ہے، جن لوگوں نے ان کی تکفیر نہیں کی ہے انہوں نے ان اہل بدعت کو ایمان کی بنیاد پر دوزخ سے نجات پانے میں گناہگار مسلمانوں کے درجے میں رکھا ہے اور حدیث (افتراق امت) کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ دوزخ میں ان کا عذاب ایک مدت تک ہوگا ابدی عذاب نہیں ہوگا، اوران کی تکفیر نہ کرنے میں ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا ہے تفترق امتی یعنی افتراق کے باوجود ان سب کو امت ہی میں شمار کیا ہے۔

امام بیہقی نے اپنی کتاب ''سنن'' میں حدیث افتراق امت کو ذکر کرنے کے بعد امام ابوسلیمان الخطابی کا ایک قول نقل کیا ہے فرماتے ہیں:-

''قال ابو سليمان الخطابى رحمه الله فيما بلغنى عنه قوله ستفترق امتى على ثلاث وسبعين فرقة فيه دلالة على ان هٰذه الفرق كلها غير خارجين من الدين اذا النبى ﷺ جعلهم كلهم من امته. (۷۲)

ابوسلیمان خطابی نے کہا کہ حضور ﷺ کا فرمان ستفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة اس بات پر بھی دلالت کررہا ہے کہ یہ سب فرقے دین سے خارج نہیں ہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ان

سب کو اپنی امت میں شامل فرمایا ہے۔

امام بیہقی نے امام خطابی کا قول بغیر کسی نقد و جرح کے نقل کر کے اس کو باقی رکھا ہے اس بات سے یہ نتیجہ نکالنے کی گنجائش ہے کہ امام بیہقی کو خطابی کی اس رائے سے اتفاق ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دھلوی کی رائے:-

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی یہی موقف اختیار فرمایا ہے ،آپ اپنی مشہور کتاب ''شرح سفر السعادۃ'' میں حدیث افتراق امت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

مراد بدخول نار ونجات ازاں بجہت عقیدہ است نہ عمل والا دخول فرقۂ ناجیہ در نار بجزائے عمل نیز جائز است،ایں فرق ہمہ اہل قبلہ اند، وتکفیر آنہا مذہب اہل سنت و جماعت نہ،اگرچہ کفر برآنہا لازم آمد(۴۳)

ان فرقوں کے جہنم میں داخل ہونے اور اس سے نجات حاصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ دخول عقیدے کے سبب ہوگا عمل کے سبب نہیں، ورنہ عمل کی جزاء کے طور پر فرقۂ ناجیہ کا بھی جہنم میں داخل ہونا جائز ہے، یہ تمام فرقے اہل قبلہ ہیں، مذہب اہل سنت پر ان کی تکفیر نہیں کی جائیگی،اگرچہ ان پر لزومِ کفر ہوگا۔

مجدد الف ثانی کی رائے:-

امام ربانی مجدد الف ثانی نے بھی مکتوبات میں یہی موقف اختیار کیا ہے،ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:-

باید دانست کہ مراد از قول آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلاۃ والسلام کہ در حدیث تفریق ایں امت بہفتا دودو فرقہ واقع شدہ است کلھم فی النار الا واحدۃ دخول شان است در نار ومکث شان است در عذاب آں نہ خلود در نار ودوام در عذاب آں کہ منافی ایمان ست ومخصوص بکفار

است (۷۴)

جاننا چاہیے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک **کلھم فی النار الاواحدۃ** جو حدیث افتراق امت میں وارد ہوا ہے سے مراد ان کا جہنم میں داخل ہونا اور عذاب میں کچھ وقت گزارنا ہے، نہ کہ (مراد یہ ہے کہ) **خلود فی النار** اور عذاب میں ہمیشہ ہمیش رہنا جو کہ ایمان کے منافی ہے اور کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔

کچھ آگے چل کر امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:۔

وچوں ایں فرقہ مبتدع اہل قبلہ اند در تکفیر آنہا جرأت نباید نمود تا زمانیکہ انکار ضروریات دینیہ نمایند و رد متواترات احکام شرعیہ کنند و قبول **ماعلم مجیئہ من الدین بالضرورۃ** نکنند، علما فرمودند اگر نودونہ وجہ کفر دائر شود و یک وجہ اسلام یافتہ شود تصحیح ایں وجہ باید نمود و حکم بکفر نباید کرد (۷۵)

چونکہ یہ گمراہ فرقے اہل قبلہ ہیں (لہٰذا) ان کی تکفیر کرنے میں جرأت نہیں کرنا چاہیے، تاوقتیکہ ضروریات دین کا انکار کریں، متواتر احکام شرعیہ کو رد کریں اور ضروریات دین کو قبول نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ننانوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک پہلو اسلام کا ہو تو اسلام والے پہلو کو صحیح ماننا چاہیے اور کفر کا حکم نہ لگانا چاہیے۔

محقق دوانی کی رائے:۔

ملا جلال الدین محقق دوانی نے بھی یہاں "کلھا فی النار" سے "دخول فی النار" مراد لینے کو ترجیح دی ہے، فرماتے ہیں:۔

کلھا فی النار من حیث الاعتقاد فلا یرد انہ لو ارید الخلود فیھا فھو خلاف الاجماع فان المؤمنین لا یخلدون فی

النـار وان اريـد بـه مجرد الدخول فيها فهو مشترك بين الفرق اذما من فرقة الاو بعضهم عصاة(٧٦)

وہ سب دوزخی ہیں یعنی عقیدہ کے اعتبار سے پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اگر یہاں ''**خلود فی النار**'' مراد لیا جائے تو یہ خلاف اجماع ہے اس لیے کہ مومنین ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے اور اگر اس سے صرف ''**دخول فی النار**'' مراد لیا جائے تو یہ تمام فرقوں میں مشترک ہے اس لیے کہ ہر فرقہ میں کچھ نہ کچھ گناہگار ضرور ہوں گے۔

اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے حاشیہ نگار مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی فرماتے ہیں:-

وجـه عـدم الـورود انـا نـختـار الشق الثـانی أی مجرد الـدخول فی النار ولکن لا نسلم انه مشترک بین الفرق فـان دخـول الـفرق الهالکة فی النار من حیث الاعتقاد و افـراد الـفـرقة الـنـاجیة و ان تـدخـل فـی الـنـار لکنهم لا یـدخـلـون مـن حیـث الاعتـقاد بل ان دخلوا فمن حیث العمل(٧٧)

اعتراض وارد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم دوسری شق کو اختیار کرتے ہیں یعنی ''دخـول فـی النار'' کو، لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ تمام فرقوں کے درمیان مشترک ہے، اس لیے کہ ہلاک ہونے والے فرقوں کا ''دخـول فـی النار'' ان کے عقائد کے اعتبار سے ہے اور فرقہ ناجیہ کے افراد اگر چہ دوزخ میں داخل ہوں گے مگر وہ اپنے عقائد کی وجہ سے داخل نہیں ہوں گے بلکہ اگر داخل ہوں گے تو اپنے عمل کے اعتبار سے داخل ہوں گے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی کی رائے:-

محقق دوانی نے ''من حیث الاعتقاد'' کی قید لگا کر جس اعتراض کا جواب دیا ہے یہ بہت مشہور اعتراض ہے، حدیث افتراق امت پر یہ اعتراض شروع سے ہوتا آیا ہے اور علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ کسی نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بھی یہی سوال کیا تھا:-

سوال: **قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستفترق امتی ثلثہ و سبعین فرقۃ کلھم فی النار الاواحدۃ** مراداز بودن جمیع فرقہ ہا درنار اگر خلود نار است فہذا مخالف للنص والاحادیث القطعیہ زیرا کہ ہیچ فرقہ نیست از فرق اسلامیہ کہ درنار ہمیشہ ماند واگر مراد خلود نیست بلکہ چند مدت فمسلم لیکن بریں تقدیر لازم می آید کہ از فرقہ ناجیہ کسے در نارنباشد حال آنکہ احادیث قطعیہ وارد است کہ فساق مومنین را چند مدت دخول نار خواہد شد (۷۸)

سوال- نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے۔ اگر ان تمام فرقوں کے جہنمی ہونے سے مراد **خلود فی النار** ہے تو یہ نص اور احادیث قطعیہ کے خلاف ہے کیونکہ اسلامی فرقوں میں کوئی فرقہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا اور اگر **خلود فی النار** مراد نہیں ہے بلکہ کچھ مدت کے لئے ان کا جہنم میں داخل ہونا مراد ہے تو یہ مسلم ہے مگر اس تقدیر پر لازم آئے گا کہ فرقہ ناجیہ میں سے کوئی فرد بھی جہنم میں داخل نہ ہو حالانکہ احادیث قطعیہ وارد ہیں کہ مومنین فاسقین کو کچھ مدت کے لئے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

اس سوال کے جواب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

ایں شبہ شبۂ قدیمہ است و علماء پنج شش جواب ازیں شبہ نوشتہ اند کہ درشرح عقائد ملا جلال وحواشی آں مذکور و مسطور اند ومنتخب اجوبۂ مذکورہ سہ جواب است، جواب اول کہ ارجح واقویٰ ست جواب محقق دوانی است کہ باختیار شق ثانی جواب دادہ اند حاصلش آنکہ مراد دخول است لیکن دخول من حیث الاعتقاد فرقہ ناجیہ را اصلاً از جہت اعتقاد دخول نار نخواہد شد، اگرچہ از جہت تقصیرات عمل در نار داخل شوند (۷۹)

یہ ایک قدیم شبہ ہے علماء نے اس کے پانچ چھ جوابات لکھے ہیں جو شرح عقائد ملا جلال اور اس کے حواشی میں مذکور ہیں۔ ان جوابات میں سے تین جواب منتخب ہیں، پہلا جواب جو سب سے زیادہ راجح اور قوی ہے وہ محقق دوانی کا جواب ہے، جو انھوں نے شق ثانی کو اختیار کر کے دیا ہے محقق دوانی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں (خلود نہیں بلکہ) صرف دخول فی النار مراد ہے لیکن یہ دخول اعتقاد کے اعتبار سے ہے اور فرقۂ ناجیہ کو عقائد کے اعتبار سے دوزخ میں داخل نہیں کیا جائیگا اگرچہ عمل میں کوتاہی کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

محقق دوانی کے اس جواب پر ایک شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ **"کلھا فی النار"** میں **"من حیث الاعتقاد"** کو پوشیدہ ماننے کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور بغیر قرینہ کے عبارت میں کچھ پوشیدہ ماننا جائز نہیں۔ اس شبہ کے جواب میں شاہ صاحب نے چار قرینوں کا ذکر کیا ہے جو یہاں **"من حیث الاعتقاد"** کو پوشیدہ ماننے پر قائم ہیں۔

اس کے بعد اصل اعتراض کا دوسرا جواب نقل کیا ہے جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ جواب حجۃ الاسلام امام غزالی کا مختار ہے اور محققین محدثین نے اس کو پسند کیا ہے۔ پھر تیسرا جواب نقل کرتے ہیں مگر یہ دراصل محقق دوانی کے جواب کی طرف راجع ہے۔ پھر

فرماتے ہیں:-

بہترین اجوبہ جواب دیگراست کہ در کتب وحواشی مسطور نیست و موافق استعمال قدیم عرب است و دراحادیث شاہد استعمال ایں نیز موجوداست خلاصہ اش آنکہ **کلھا فی النار** عبارت از بطلان است میگویند فلاں چیز فی النار است یعنی باطل است چنانچہ درحدیث صحیح وارد شدہ کہ الھذاء فی النار یعنی زبان درازی باطل است (۸۰)

ان جوابوں میں بہترین جواب ایک دوسرا جواب ہے جو کتب وحواشی میں نہیں لکھا ہے اور یہ قدیم عرب کے استعمال کے موافق ہے نیز احادیث میں اس کا شاہد بھی موجود ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ **کلھا فی النار** سے (نہ خلود مراد ہے نہ دخول بلکہ) بطلان مراد ہے (یعنی سب کے سب فرقے باطل ہیں سوائے ایک کے) کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز جہنم میں ہے یعنی باطل ہے، چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ الھذاء فی النار یعنی زبان درازی باطل ہے''۔

لیکن گفتگو کے اختتام پر شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

درصدر کلام اشارہ نمودیم کہ جواب اول ہمان است ارجح واقویٰ (۸۱)

ہم نے آغاز کلام میں اشارہ کیا تھا کہ پہلا جواب ہی ارجح واقویٰ ہے۔

شاہ صاحب کی اس پوری بحث کا نتیجہ یہی نکلا کہ ان کے نزدیک کلہا فی النار میں خلود فی النار نہیں بلکہ دخول فی النار ہی ارجح واقویٰ ہے۔

علماء فرنگی محل کی رائے:-

حل المعاقد کے حوالے سے حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کا موقف گزشتہ صفحات میں گزرا، مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کی طرح دوسرے علماء فرنگی محل نے بھی اس حدیث میں ''فی

النار‘‘ سے خلود فی النار نہیں بلکہ دخول فی النار مراد ہونے کو ترجیح دی ہے، اور ان ۷۲ فرقوں کو کافر نہیں صرف گمراہ قرار دیا ہے، مولانا عبدالحی بن مولانا عبدالرب لکھنوی سے کسی نے استفتاء کیا کہ:۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ جو حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا تھا کہ بعد میرے امت میری کے تہتر فرقے ہوجائیں گے ایک ناجی اور سب ناری ہونگے آیا ناری سے مراد کفار ہیں یا مسلمان فاسقان کہ بسبب عصیاں کے دوزخی ہوجائیں گے، بعضے کہتے ہیں کہ سب اہل ہوا کافر ہیں ایک فرقہ مسلمان ہے جس کو اہل سنت وجماعت کہتے ہیں۔

جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

کتابوں عقائد اور فقہ میں اس طرح لکھا ہے کہ بہتّر فرقے جو اہلِ ہوا ہیں ایک بھی کافر نہیں ہے(۸۲)

اس فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے مولانا محمد نعیم فرنگی محلی فرماتے ہیں:۔

فی الواقع حدیث افتراق امت میں ناری سے مراد مسلمین فاسقین ہیں کہ شامت عصیاں سے دوزخ میں جاویں گے(۸۳)

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ملا علی قاری کا ایک دلچسپ جملہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں، آپ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:۔

فمن عیوب اهل البدعة انه یکفر بعضهم بعضاً ومن ممادح اهل السنة انه یخطؤن ولا یکفرون. (۸۴)

اہل بدعت کا عیب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں، اور اہل سنت کی خوبی یہ ہے کہ وہ خاطی کہتے ہیں کافر نہیں کہتے۔

شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی کی رائے:-

گزشتہ صدی کی عظیم علمی اور روحانی شخصیت، بانیٔ جامعہ نظامیہ، شیخ الاسلام مولانا محمد انوار اللہ فاروقی حیدرآبادی مرزا قادیانی کا رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اہل سنت و جماعت کے سوا گو تمام فرق اسلامیہ نے مسائل اعتقادیہ میں عقل کو دخل دے کر بہت سی نصوص میں اس قدر تاویلیں کیں کہ ان کو بیکار ٹھہرا دیا مگر ان میں کسی مقتدائے مذہب نے نبوت کا دعویٰ نہ کیا بلکہ سب اپنے آپ کو صرف امتی آنحضرت ﷺ کے کہتے رہے، اسی وجہ سے کل مذاہب حضرت ہی کی امت میں شمار کیے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت نے بھی امتی کا لفظ ان کی نسبت فرما دیا۔(۸۵)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:-

غرض جو مذہب نکلتا ہے اس میں داخل ہونے کے وقت نبی ﷺ کے امتیوں کو اتنا تو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ بہتّر مذہب سے خارج نہ ہوں جن پر حضرت کے امتی ہونے کا اطلاق کیا گیا ہے کیوں کہ یہ مذاہب گو ناریہ ہوں مگر مخلد فی النار نہیں۔(۸۶)

شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی صاحب کی مندرجہ بالا دونوں عبارتوں سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ آپ ان ۷۲ فرقوں کو اہل بدعت سمجھتے ہیں اہل کفر نہیں یعنی ان کے لئے ''خلود فی النار'' نہیں ہے بہر حال یہ امت محمدیہ کے ہی فرد کہلائیں گے۔

حضرت سید مدنی میاں اشرفی کچھوچھوی کی رائے:-

عہد حاضر کی ممتاز علمی و روحانی شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی بھی یہی رائے ہے کہ حدیث افتراق امت میں فرقۂ ناجیہ کے علاوہ باقی گمراہ فرقوں سے ایسے فرقے مراد ہیں جن کی گمراہی حد کفر تک نہ پہنچی ہو۔

ڈاکٹر محمد عبدالحمید اکبر نے حضرت مدنی میاں کو خط لکھ کر اس حدیث کا مفہوم جاننا چاہا، حضرت نے جواباً تفصیلی خط تحریر فرمایا، اس خط کا عکس ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب ''مولانا محمد انوار اللہ فاروقی شخصیت، علمی وادبی کارنامے'' میں شائع کر دیا ہے۔ حضرت مدنی میاں فرماتے ہیں:-

> منافقین کو مومنین سے ممتاز کر دینے کے بعد سے کفر و اسلام کے درمیان کوئی منزل باقی نہیں رہ گئی، اب جو مسلم نہیں وہ یقیناً کافر ہے اور جو کافر نہیں بلا شبہ مسلم ہے، رہ گئے وہ گمراہ جن کی گمراہی حد کفر تک نہیں پہنچی ہے وہ مسلمان ہی سمجھے جائیں گے اور مغفرت خداوندی کے مستحق قرار دیئے جائیں گے، وہ ضال و مضل اور اہل بدعت تو ہوں گے مگر کہے جائیں گے مسلمان ہی۔(۸۷)

اسی مکتوب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:-

> بلا شبہ تفریق امت والی حدیث شریف میں امت اجابت ہی کا ذکر ہے، جن میں ایک ہیں اہل سنت اور باقی ہیں اہل بدعت اور وہ بھی ایسے اہل بدعت جن کی گمراہی حد کفر تک نہ پہنچی ہو، رسالہ عضدیہ میں بھی یہ صراحت ہے کہ حدیث تفریق امت میں امت سے مراد امت اجابت ہے، امت اجابت کے اہل بدعت کا بھی مخلد فی النار نہ رہنا ہی رحمت الٰہی کو منظور ہے وھو الغفور الرحیم۔(۸۸)

شیخ ابن تیمیہ کی رائے:-

ہمارے اکابر اہل سنت کے علاوہ غیر مقلد حضرات کے معتمد علیہ شیخ ابن تیمیہ الحرانی نے بھی اپنی تمام تر شدت کے باوجود ان ۷۲ فرقوں کو کافر کہنے میں احتیاط کی ہے، ہم شیخ ابن تیمیہ کی ایک عبارت ان لوگوں کے لئے الزاماً نقل کر رہے ہیں جو ان ۷۲ فرقوں کو کافر مان کر ہم ماتریدیہ، اشاعرہ، حنفیہ اور صوفیہ کو بیک جنبش قلم ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتے

ہیں، ایسے لوگوں کو اپنے ''شیخ الاسلام'' کی یہ عبارت پیش نظر رکھنا چاہیے:-

ومن قال: ان هٰذا الثنتين والسبعين كل واحد منهم يكفر كفرا ينقل عن الملة فقد خالف الكتاب والسنة و اجماع الصحابة، بل واجماع الائمة الاربعة وغير الاربعة فليس فيهم من كفر كل واحد من الثنتين والسبعين فرقة. (٨٩)

اور جس نے یہ کہا ۷۲ کے ۷۲ فرقے کافر ہیں ایسے کہ ملت سے خارج ہو رہے ہیں اس نے کتاب وسنت اور اجماع صحابہ کی مخالفت کی بلکہ اس نے ائمہ اربعہ کی مخالفت کی اس لیے کہ ان میں سے کسی نے ان ۷۲ میں سے ہر ایک فرقے کی تکفیر نہیں کی ہے۔

امام عبداللہ ابن مبارک کی رائے:-

امام عبداللہ ابن مبارک نے اصولی فرقے صرف چار شمار کیے ہیں، روافض، خوارج، قدریہ اور مرجیہ، جب ان سے کہا گیا کہ جہمیہ کو آپ نے ان میں کیوں شامل نہیں کیا؟ تو ان کا جواب تھا کہ اس فرقہ کو ہم امت اسلامیہ میں شامل ہی نہیں مانتے لہٰذا یہ ان ۷۲ میں سے نہیں ہے، اسی طرح بعض حنابلہ نے جہمیہ کی تکفیر کی ہے اور بعض نے تکفیر نہیں کی ہے، جن حضرات نے تکفیر کی ہے وہ جہمیہ کو ان ۷۲ میں شامل نہیں مانتے کیونکہ ان کے نزدیک یہ ۷۲ فرقہ اہل البدع کے ہیں اہل الکفر کے نہیں اور جو حضرات جہمیہ کو ان ۷۲ میں شمار کرتے ہیں انھوں نے ان کی تکفیر نہیں کی ہے بلکہ وہ جہمیہ کو صرف اہل البدع میں مانتے ہیں (۹۰)

اب تک کی بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ فرقہ ناجیہ کے علاوہ جو ۷۲ فرقے ہوں گے ان کو ہم ضال، مضل اور مبتدع تو کہہ سکتے ہیں مگر ان کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہا جائیگا کیونکہ بہر حال وہ اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے، اس سلسلہ میں ہم اپنے موقف کی ابھی مزید وضاحت کریں گے مگر یہاں اہل قبلہ اور ان کی تکفیر کے مسئلہ پر

گفتگو کرنا ضروری ہے تاکہ آگے چل کر ہمیں اپنے موقف کی وضاحت میں آسانی ہو۔

اھل قبلہ کی تکفیر :- اہل قبلہ کون لوگ ہیں؟ اس کے بارے میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:-

ان المراد باھل القبلة الذین اتفقوا علی ماھو من ضرورات الدین کحدوث العالم و حشر الاجساد و علم اللہ تعالیٰ بالکلیات و الجزئیات و ما اشبه ذالک من المسائل. (۹۱)

اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو ضروریات دین پر متفق ہوں مثلاً عالم کا حادث ہونا، جسموں کا حشر، اور اللہ تعالیٰ کے تمام کلیات و جزئیات کے جاننے کا اعتقاد اور اسی قسم کے دیگر مسائل۔

اہل قبلہ کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:-

ان الذین اتفقوا علی ما ھو من ضروریات الاسلام کحدوث العالم وحشر الاجساد وما اشبه ذلک واختلفوا فی اصول سواھا کمسئلة الصفات وخلق الاعمال وعموم الارادۃ وقدم الکلام وجواز الرؤیة ونحو ذلک مما لا نزاع فیه ان الحق فیھا واحد. (۹۲)

وہ لوگ جو ضروریات اسلام پر متفق ہوں جیسے حدوث عالم، اور حشر اجساد وغیرہ اور اسی قسم کے مسائل، اور ان کے علاوہ دوسرے اصول میں مختلف ہوں جیسے مسئلہ صفات، خلق افعال، عموم ارادہ، کلام اللہ کا قدیم ہونا، اور جواز رویت باری وغیرہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان مسائل میں حق ایک ہی جانب ہے۔

ملا علی قاری اور علامہ تفتازانی دونوں نے ''اہل قبلہ'' کی تعریف میں ضروریات دین کا ذکر

کیا ہے لہٰذا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے ''ضروریات دین'' کی جامع و مانع تعریف کیا ہے؟ اس سلسلہ میں بڑی طویل بحثیں علماء نے اپنی کتب میں لکھی ہیں، ہم ان بحثوں میں پڑ کر خواہ مخواہ مقالہ کو طویل کرنا نہیں چاہتے، بس اتنا اشارہ کافی سمجھتے ہیں کہ ضروریات دین میں صرف وہی مسائل شمار کیے جائیں گے جو قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ ہوں، رہے وہ مسائل جو قطعی الثبوت تو ہوں مگر ظنی الدلالہ ہوں یا پھر قطعی الدلالۃ ہوں مگر ظنی الثبوت ہوں یا ظنی الثبوت بھی ہوں اور ظنی الدلالۃ بھی ہوں ایسے مسائل، ضروریات دین میں شمار نہیں ہوں گے۔

اہل قبلہ کی تعریف کے بعد اب یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی تکفیر کے سلسلہ میں ہمارے علماء کا کیا موقف ہے۔

میر سید شریف الجرجانی شرح مواقف میں فرماتے ہیں۔

جمهور المتكلمين و الفقهاء على انه لا يكفر احداً من اهل القبلة. (۹۳)

جمہور متکلمین اور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائیگی۔

علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں۔

ذهب الشيخ الاشعرى و اكثر الاصحاب الىٰ انه ليس بكافر، وفى المنتقىٰ عن ابى حنيفة انه لم يكفر احداً من اهل القبلة وعليه اكثر الفقهاء (۹۴)

امام اشعری اور اکثر اصحاب کا موقف یہ ہے کہ وہ (اہل قبلہ) کافر نہیں ہے، اور منتقیٰ میں امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی جائیگی، اور یہی موقف اکثر فقہاء کا ہے۔

اہل قبلہ کی تکفیر بہت نازک مسئلہ ہے جس میں زبردست احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں حجۃ الاسلام امام غزالی نے ایک وصیت اور ایک قانون تحریر فرمایا ہے، امام غزالی

فرماتے ہیں:-

اما الوصية: فأن تكف لسانك عن اهل القبلة ما امكنك ماداموا قائلين لا اله الا الله محمد رسول الله غير مناقضين لها، والمناقضة تجويز هم الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم بعذر او غير عذر فان التكفير فيه خطر والسكوت لا خطر فيه (٩٥)

رہی وصیت تو یہ ہے کہ حتی الامکان اہل قبلہ کی تکفیر سے زبان کو روکو، جب تک وہ کلمۂ طیبہ کے قائل ہیں اس کی مخالفت کیے بغیر اور اس کی مخالفت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کذب کو جائز قرار دیں کسی عذر سے یا بغیر عذر کے، اس لیے کہ تکفیر میں خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔

امام غزالی کی اس وصیت کا آخری جملہ خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ ''تکفیر میں خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں''۔ تکفیر کا قانون بیان کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں:-

واما القانون: فهوان تعلم ان النظريات قسمان، قسم يتعلق باصول العقائد و قسم يتعلق بالفروع و اصول الايمان ثلاثة: الايمان بالله وبرسوله وباليوم الآخر وما عداه فروع واعلم انه لا تكفير فى الفروع اصلاً الا فى مسئلة واحدة وهى ان ينكر اصلاً دينياً علم من الرسول صلى الله عليه وسلم بالتواتر لكن فى بعضها تخطئه كما فى الفقهيات وفى بعضها تبديع كالخطاء بالامامة واحوال الصحابه. (٩٦)

اور رہا قانون تو وہ یہ ہے کہ نظریات دو قسم کے ہیں، ایک قسم وہ جو

اصول عقائد سے متعلق ہے اور دوسری وہ جو فروع سے متعلق ہے اور اصول ایمان تین ہیں :- اللہ پر ایمان رکھنا، رسول (ﷺ) پر ایمان رکھنا اور یوم قیامت پر ایمان رکھنا، ان کے علاوہ سب فروع ہیں، جان لو کہ فروع میں سرے سے تکفیر ہو ہی نہیں سکتی، سوائے ایک مسئلہ کے اور وہ یہ ہے کہ کسی ایسے اصول دین کا انکار کیا جائے کہ جس کا علم رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ہو اور باقی فروعی مسائل میں بعض میں خاطی کہا جائے گا جیسے مسائل فقہیہ میں اور بعض میں مبتدع کہا جائے گا جیسے مسئلہ امامت اور احوال صحابہ میں خطا۔

اپنی ایک دوسری کتاب "**الاقتصاد فی الاعتقاد**" میں اہل قبلہ کی تکفیر کے سلسلہ میں امام غزالی فرماتے ہیں:-

> مناسب یہی ہے کہ حتی الامکان تکفیر سے احتراز کیا جائے اس لیے کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والوں اور کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کا خون اور مال (تکفیر کے ذریعہ) مباح کرنا خطا ہے۔ غلطی سے ایک ہزار کفار کو چھوڑ دینا یہ اس کے مقابلہ میں ہلکا ہے کہ غلطی سے ایک مسلمان کا خون بہا دیا جائے (۹۷)

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:-

> تکفیر نہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے کی تکفیر نص سے ثابت ہے اور یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب نہیں کرتے اور ہمارے نزدیک یہ ثابت نہیں کہ تاویل میں خطا موجب تکفیر ہے، لہٰذا اس پر دلیل کی ضرورت ہے، ان کے جان و مال کی عصمت ان کے کلمۂ طیبہ پڑھنے کی وجہ سے قطعی طور پر ثابت ہے، لہٰذا اس عصمت قطعیہ کو رفع کرنے کے لئے دلیل قطعی

چاہیے(۹۸)

تکفیر کے سلسلہ میں احتیاط بیان کرتے ہوئے ملاعلی قاری تحریر فرماتے ہیں:-

ان المسئلة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع وتسعون احتمالاًللكفر واحتمال واحد فى نفيه فالاولىٰ للمفتى والقاضى ان العمل بالاحتمال النافى لان الخطاء فى ابقاء الف كافر اهون من الخطاء فى افناء مسلم واحد(۹۹)

وہ مسئلہ جو کفر سے متعلق ہو اس میں اگر ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور صرف ایک پہلو کفر کی نفی کر رہا ہو تو مفتی اور قاضی کے لئے اولیٰ ہے کہ وہ کفر کی نفی کرنے والے پہلو پر عمل کرے، کیونکہ غلطی سے ایک ہزار کافروں کو چھوڑنا اس بات کے مقابلے میں ہلکا ہے کہ غلطی سے ایک مسلمان کو فنا کر دیا جائے۔

صاحب بحرالرائق فتاویٰ خلاصہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:-

اذا كان فى المسئلة وجوه توجب الكفر ووجه يمنع التكفير فعلى المفتى ان يميل الى الوجه الذى يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم (۱۰۰)

اگر کسی مسئلہ میں چند پہلو موجبِ کفر ہوں اور ایک پہلو تکفیر سے روک رہا ہو تو مفتی پر واجب ہے کہ مسلمان سے حسن ظن رکھتے ہوئے اسی پہلو کو اختیار کرے جو تکفیر سے بچا رہا ہو۔

مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:-

علما فرمودند اگر نود و نہ وجہ کفر دائر شود و یک وجہ اسلام یافتہ شود تصحیح ایں وجہ باید نمود و حکم بکفر نباید کرد(۱۰۱)

علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ننانوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک پہلو اسلام کا ہو تو اسلام والے پہلو کو صحیح ماننا چاہیے اور کفر کا حکم نہ لگانا چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ میر سید شریف الجرجانی نے شرح مواقف میں بعض فرقوں مثلاً معتزلہ، خوارج اور روافض وغیرہ کے اقوال و آراء میں حتی الامکان تاویل کرتے ہوئے تکفیر سے بچنے کی کوشش کی ہے، خود امام غزالی نے اپنی کتاب ''التفرقة بين الاسلام والزندقة'' میں گمراہ فرقوں کی تکفیر سے حتی الامکان احتراز کیا ہے اور ان کے بے شمار ایسے اقوال جن میں بادیٔ النظر میں صریح کفر نظر آتا ہے ان سب میں امام غزالی نے کوئی نہ کوئی تاویل کر کے تکفیر سے زبان کو روکا ہے، سابق شیخ الازہر عارف باللہ سیدنا الشیخ عبدالحلیم محمود صاحب کے بقول اس کتاب میں امام غزالی نے ان فرقوں کے مقابلہ میں مناظر کی بجائے ان کے وکیل کا کردار ادا کیا ہے۔

اھل قبلہ کی تکفیر اور ایک شبہ کا ازالہ:۔ بعض سادہ لوح لوگ اپنی سادگی کی وجہ سے یہ گمان کرتے ہیں کہ اہل قبلہ ہر وہ آدمی ہے جو قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہو، لہٰذا اب اس کی تکفیر حرام ہے خواہ اس سے کیسا ہی کفر کیوں نہ صادر ہو جائے، یہ فکر درست نہیں ہے، ابھی ہم نے دیکھا کہ اہل قبلہ وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین کا اقرار کرتے ہوں، اور اس کے علاوہ دیگر مسائل میں ان کا اختلاف ہو، لیکن جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی منکر ہوگا اس کا شمار اہل قبلہ میں ہے ہی نہیں، لہٰذا اس کی تکفیر کی جائیگی، خواہ وہ بظاہر کتنا نمازی و پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔

من واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم او نفى الحشر او نفى علمه سبحانه بالجزئيات لا يكون من اهل القبلة وأن المراد بعدم تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لايكفر مالم

یوجد شئ من امارات الکفر و علاماته ولم یصدر عنه شئ من موجبات (۱۰۲)

جوشخص پوری زندگی طاعت وعبادت میں گزارے مگر ساتھ ہی عالم کے قدیم ہونے، یا اجسام کے حشر نہ ہونے یا اللہ تعالیٰ کے جزئیات نہ جاننے کا اعتقاد رکھے وہ ہرگز اہل قبلہ میں سے نہیں ہوگا اور اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تکفیر اس وقت تک نہیں کی جائے گی جب تک کفر کی نشانیوں اور علامتوں میں سے کچھ نہ پایا جائے اور موجبات کفر میں سے کوئی بات ان سے صادر نہ ہو۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:-

ولا یخفی ان المراد بقول علمائنا لا یجوز تکفیر اھل القبلۃ بذنب لیس مجرد التوجۃ الیٰ القبلۃ فان الغلاۃ من الروافض الذین یدعون ان جبرئیل علیه السلام غلط فی الوحی فان الله تعالیٰ ارسله الیٰ علیّ وبعضھم قالوا انه الله وان صلوا الی القبلۃ لیسوا بمؤمنین (۱۰۳)

مخفی نہ رہے کہ ہمارے علماء کا یہ قول کہ ''کسی گناہ کی بنیاد پر اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائیگی'' اس سے یہ مراد نہیں کہ جو شخص محض قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہو، اس لئے کہ وہ غالی رافضی جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت جبریل عیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کردی ان کو اللہ تعالی نے وحی لے کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی ''اللہ'' ہیں، تو ایسے لوگ

اگرچہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ہی کیوں نہ پڑھتے ہوں یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔

علامہ سعدالدین تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں۔

لا نزاع فی کفر اھل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفی الحشر ونفی العلم بالجزئیات ونحو ذلک وکذا بصدور شئی من موجبات الکفر عنه. (۱۰۴)

اس اہل قبلہ کی تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے جو پوری زندگی اطاعت میں گزارے اور ساتھ ہی عالم کے قدیم ہونے یا حشر اجساد نہ ہونے، یا اللہ کو علم جزئیات نہ ہونے کا اعتقاد رکھے، اور اسی طرح اس اہل قبلہ کی تکفیر میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے جس سے موجبات کفر میں سے کوئی امر صادر ہو۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

ان المراد باھل القبلة فی ھٰذہ القاعدة ھم الذین لا ینکرون ضروریات الدین لا من یوجه وجھه إلی القبلة فی الصلوٰة قال اللّٰه تعالٰی لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البرمن آمن باللّٰه والیوم الآخر. فمن انکر ضروریات الدین لم یبق من اھل القبلة (۱۰۵)

اس قاعدے (یعنی اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے) میں اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو ضروریات دین کا انکار نہ کرتے ہوں، نہ کہ وہ لوگ

جو نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرتے ہوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق و مغرب کی طرف رخ کرو بلکہ نیکی یہ ہے کہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاؤ۔تو جس نے ضروریات دین کا انکار کیا وہ اہل قبلہ میں سے نہیں رہا۔

ان عبارتوں سے واضح ہوا کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی خلاف اسلام عقیدہ کیوں نہ رکھے مگر زبان سے کلمۂ طیبہ پڑھتا ہو اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائیگی، دراصل ایسا شخص اہل قبلہ میں شامل ہی نہیں ہے، اور اس کی تکفیر کرنے میں ہمارے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

کلھا فی النار پر ہمارا موقف۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے زیر بحث حدیث میں ''فی النار'' سے دخول فی النار مراد لینے کے سلسلہ میں اکابر علماء اہل سنت کے حوالے پیش کئے تھے،لہٰذا ہم بھی امام اشعری، امام غزالی، امام ابوالمظفر الاسفرائینی، امام بیہقی، امام العجلونی، محقق دوّانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مجدد الف ثانی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور علماء فرنگی محل کے دامن میں پناہ لیتے ہوئے یہاں فی النار سے ''دخول فی النار'' مراد لینے کو ہی ترجیح دیتے ہیں، ہمارے نزدیک یہ ۷۲ فرقے ''اہل بدعت'' کے ہیں ''اہل کفر'' کے نہیں۔اور اہل بدعت تعذیب کے باب میں مسلمان فاسق کے حکم میں ہے۔علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:-

حکم المبتدع وھو من خالف فی العقیدۃ طریقۃ السنۃ والجماعۃ ینبغی ان یکون حکم الفاسق. (۱۰۶)

وہ مبتدع جو عقیدہ میں اہل سنت کے طریقے کے خلاف ہو مناسب ہے کہ اس کا حکم وہی ہو جو فاسق کا حکم ہے۔

اور یہ ہم نے گزشتہ اوراق میں ثابت کیا کہ فاسق کے لئے صرف دخول فی النار کا حکم ہے

خلود فی النار کا نہیں، فاسق اپنے گناہ کی وجہ سے دوزخ میں جائیگا اور پھر آخر کار اس کو ایک نہ ایک دن دوزخ سے نجات دے کر جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔ چونکہ یہ فرقے اہل بدعت کے ہوں گے لہٰذا یہ اپنی گمراہی کے سبب دوزخ میں داخل کر دئے جائیں گے اور پھر اپنی گمراہی کی سزا پا کر یا پھر محض فضل الٰہی سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے، اس بات کی تصریح گزشتہ اوراق میں امام غزالی اور امام العجلونی کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

جب تک کسی کی گمراہی حد کفر تک نہیں پہونچتی اس وقت تک اس کے لئے ''خلود فی النار'' کا حکم نہیں لگایا جا سکتا یہی اہل سنت کا موقف ہے۔

یہاں پر ایک شبہ یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ بعض فرقوں کے کافر ہونے اور ان کے ملت اسلامیہ سے خارج ہونے پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے، مثلاً ماضی میں سبائیہ فرقہ جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی الوہیت کا قائل تھا یا دور حاضر میں قادیانی فرقہ جو ختم نبوت کا منکر ہے، لہٰذا یہاں اگر صرف ''دخول فی النار'' مراد لیا جائے اور ان ۷۲ فرقوں کو اہل بدعت مانا جائے تو لازم آئیگا کہ سبائی اور قادیانی فرقے بھی مسلمان ہوں؟ اور اگر اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہاں ''خلود فی النار'' مراد لے لیا جائے اور ان ۷۲ فرقوں کو اہل بدعت نہیں بلکہ اہل کفر تسلیم کیا جائے تب بھی بعینہٖ یہی اعتراض وارد ہوگا کیونکہ بہت سے فرقے ایسے ہیں کہ ان کی تکفیر نہ کرنے پر علماء کا اتفاق ہے مثلاً شیعوں میں زیدیہ یا خوارج میں اباضیہ فرقہ وغیرہ پھر آخر ان کے لیے ''خلود فی النار'' کا کیا مطلب ہے؟

یہاں ''دخول فی النار'' مراد لے کر علماء نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ فرقے جو ضروریات دین کا انکار کر کے باجماع امت کافر و مرتد ہو گئے وہ دراصل امت اجابت سے نکل کر اب امت دعوت میں شامل ہو گئے، وہ اپنے کفر کی وجہ سے دائمی عذاب کا مزا چکھیں گے، ایسے فرقے ملت اسلامیہ سے خارج ہیں ان کا شمار نہ اسلامی فرقوں میں ہوگا اور نہ ہی وہ ان ۷۲ فرقوں میں گنے جائیں گے۔ جیسا کہ امام ابو المظفر الاسفرائینی نے

سبائیہ فرقے اور امام عبد اللہ بن مبارک نے جہمیہ فرقے کے بارے میں صراحت فرمائی ہے، کہ یہ فرقے کافر ہیں اور ان ۷۲ فرقوں میں شامل ہی نہیں ہیں۔

یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی فرقے کے کسی شخص معین کی تکفیر اور اس پورے فرقہ کی تکفیر میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہاں گفتگو فرقوں کی ہو رہی ہے شخصیات کی نہیں۔ اور پھر کسی قول کے کفر ہونے اور اس کے قائل شخص معین کی تکفیر میں بھی فرق ہے جس کی تفصیل کتب کلام میں موجود ہے۔

گمراہ اور گمراہ گر کا حکم :- ان فرقوں کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ان کو حق پر مانتے ہیں، بہر حال فرقۂ ناجیہ کے علاوہ باقی فرقے جادۂ حق سے منحرف ہیں اور ان کے گمراہ ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن کسی کا گمراہ اور گمراہ گر ہونا الگ بات ہے اور کافر ہونا الگ بات ہے، تاہم عوام کو ان فرقوں کی گمراہی سے آگاہ کرنے کے لیے وقت ضرورت ان کا رد و ابطال کیا جائے گا تا کہ حق و باطل میں امتیاز رہے، یہ بھی یاد رہے کہ ہر گمراہ کا ایک ہی حکم نہیں ہے، بلکہ گمراہی کے الگ الگ درجات ہیں، جس درجہ کا گمراہ ہوگا اس کا حکم اسی اعتبار سے ہوگا۔ اس سلسلہ میں امام غزالی کے حوالہ سے سیدنا الشیخ فضل رسول بدایونی نے گمراہ کی تین قسمیں کی ہیں، ایک وہ جس کی گمراہی حد کفر تک پہنچ گئی ہو، دوسرا وہ جس کی گمراہی حد کفر تک نہ پہنچی ہو اور وہ اپنی گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہو، تیسرا وہ جو خود گمراہ ہو مگر دوسرے کو اپنی گمراہی کی طرف دعوت دینے کی طاقت وصلاحیت نہ رکھتا ہو، پہلی قسم کے گمراہ کا حکم تو وہی ہے جو کافر کا ہے، دوسرے اور تیسرے گمراہ کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:-

> رہا وہ مبتدع جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جس طرف وہ بلا رہا ہے وہ حق ہے تو وہ مخلوق کو بہکانے اور گمراہ کرنے کا سبب بنے گا اور اس کا شر متعدی ہوگا، تو ضروری ہے کہ اس

سے بغض و عداوت کا اظہار کیا جائے، اس سے قطع تعلق کیا جائے، اس کی تحقیر کی جائے، اس کی مذمت کی جائے، عوام کو اس کی بدعت سے متنفر کیا جائے، اگر تنہائی میں وہ سلام کرے تو اس کے جواب میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہ گمان ہو کہ جواب نہ دینا زجر و توبیخ میں معاون ہوگا تو جواب نہ دینا واجب ہے، اور اگر بہت سے لوگوں کی موجودگی میں سلام کرے تو لوگوں کو اس کی طرف سے متنفر کرنے اور اس کی بدعت کی مذمت کی خاطر جواب نہ دینا واجب ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس کا کسی قسم کا تعاون نہ کیا جائے (۱۰۷)

تیسرا وہ عام آدمی جو بہکاوے میں آ کر گمراہ ہو گیا ہو اس کے بارے میں فرماتے ہیں:-

تیسرا وہ مبتدع جو دعوت و تبلیغ کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور اس کے ذریعہ لوگوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اس کا حکم پہلے والے کے مقابلہ میں نرم ہے، بہتر یہ ہے کہ اس سے سخت کلامی اور اس کی اہانت وغیرہ نہ کی جائے بلکہ لطف و محبت کے ساتھ اس کو سمجھانے کی کوشش کی جائے، اس لئے کہ عوام کے دل بہت جلدی پلٹتے ہیں، اگر نصیحت فائدہ نہ دے اور یہ معلوم ہو کہ بدعت اس کے دل میں راسخ ہوگئی ہے تو اس سے اعراض کرنا واجب ہے (۱۰۸)

یہ مقالہ ادھورا رہے گا اگر اس میں "**فرقۂ ناجیہ**" کی تعریف اور "**ما انا علیہ و اصحابی**" کی تشریح نہ کی جائے، مگر یہ بحث تفصیل طلب ہے جس کے لیے ایک مستقل مقالہ درکار ہے، یوں تو ہر فرقے کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ فرقۂ ناجیہ ہے، محقق دوانی سمیت عام طور پر علماء نے فرقۂ ناجیہ "اشاعرہ" کو قرار دیا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ آج "اشعریت" کے دعویدار خود بیشمار فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور یہ انقسام ایسا ہے کہ بعض بعض کی تکفیر یا علی

الاقل تضلیل سے کم پر راضی نہیں ہیں، جہاں تک بات فرقۂ ناجیہ کو اشاعرہ پر منحصر کرنے کی ہے اس طور پر کہ مذہب اشعری کی مخالفت کفر وضلالت ہو تو اس کا امام غزالی نے ایسے جارحانہ انداز میں رد کیا ہے کہ اگر امام غزالی کی وہ عبارت زید وبکر کے نام سے کسی دارالافتاء میں بھیج دی جائے تو شاید آج کل کے صاحبان افتاء زید کے ضال ومضل ہونے کا فتویٰ صادر فرما کر اس کو تجدید ایمان، تجدید نکاح اور تجدید بیعت وغیرہ کا مشورہ دے ڈالیں، امام غزالی فرماتے ہیں:-

> شاید وہ تمام مذاہب میں سے مذہب اشعری کی طرف مائل ہے اور گمان کرتا ہے کہ جو کچھ اشعری نے کہا ہے اس کی مخالفت کفر جلی ہے، میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ یہ بات کہاں سے ثابت ہوئی کہ حق صرف اشعری پر منحصر ہے، یہاں تک کہ باقلانی کے کفر کا فیصلہ کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت بقاء کے سلسلہ میں باقلانی نے اشعری کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ بقاء یہ وصف زائد علی الذات نہیں ہے تو آخر باقلانی اشعری کی مخالفت کر کے کفر کے مستحق کیوں ہیں؟ اس کے برعکس کیوں نہیں ہے (یعنی اشعری باقلانی کی مخالفت کر کے کفر کے مستحق ہوں) اور پھر آخر حق ان دونوں میں سے کسی ایک پر منحصر کیسے ہو گیا، کیا اس لیے کہ اشعری، باقلانی سے زمانہ کے اعتبار سے سابق ہیں؟ (اگر یہ بات صحیح ہو تو) بعض معتزلی اشعری سے بھی سابق ہیں تو پھر تو حق اشعری سے سابق ہوا، یا پھر اشعری اور باقلانی کے درمیان علم وفضل کے تفاوت کی بنیاد پر حق کا فیصلہ کیا جائے، تو آخر وہ کون سا ترازو ہے جس سے آپ علم وفضل کے درجات تولیں گے اور اگر اشعری سے مخالفت کے باوجود باقلانی کو رعایت دی جا سکتی

ہے تو پھر دوسروں پر (اشعری کی مخالفت کی وجہ سے) سختی کیوں کی گئی؟ باقلانی، الکوبیسی اور القلانسی وغیرہ میں آخر کیا فرق ہے؟ تو پھر باقلانی کے ساتھ رعایت کی تخصیص چہ معنی دارد؟ اگر کوئی یہ گمان کرتا ہے کہ باقلانی کا اشعری سے اختلاف نزاع لفظی ہے اختلاف حقیقی نہیں جیسا کہ بعض متعصبین کہتے ہیں یہ دلیل دیتے ہوئے کہ ''دونوں (یعنی اشعری اور باقلانی) وجود کے دوام پر متفق ہیں اختلاف اس میں ہے کہ یہ دوام ذات کی طرف راجع ہے یا وصف زائد علی الذات ہے، اور یہ نزاع لفظی ہے لہٰذا باقلانی پر سختی نہیں کی جائیگی'' تو پھر وہ (متعصب) ایک معتزلی پر نفی صفات کے معاملہ میں کیوں سختی کرتا ہے، کیونکہ معتزلی بھی اس بات کا معترف ہے کہ اللہ کا علم تمام معلومات کو محیط ہے اور وہ تمام ممکنات پر قادر ہے، بس وہ اشعری کی مخالفت اس بارے میں کرتا ہے کہ اللہ عالم بالذات ہے یا عالم بصفۃ زائدہ علی الذات ہے، (یہ بھی نزاع لفظی ہے) تو پھر ان دونوں مخالفتوں (یعنی باقلانی کی اشعری سے اور معتزلی کی اشعری سے) میں آخر کیا فرق ہے؟ (۱۰۹)

کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں:-

اگر تم انصاف سے کام لو تو تم جانو گے کہ حق کو بعینہٖ کسی ایک پر موقوف مان لینا یہ کفر اور تناقض سے زیادہ قریب ہے، کفر تو اس لیے کہ اس شخص کو نبی معصوم کے درجہ کو پہنچا دیا، یہ انھی کا مرتبہ ہے کہ ان کی موافقت سے ایمان ثابت ہوتا ہے اور ان کی مخالفت سے کفر لازم ہوتا ہے (۱۱۰)

ہمارے ایک استاذ پروفیسر عبدالمعطی بیومی (صدر شعبۂ عقیدہ: فیکلٹی آف اصول الدین، الازہر الشریف) فرمایا کرتے تھے کہ:-

میں نے اسلامی فرقوں کے مسائلِ خلافیہ اور ان کے دلائل کا لگ بھگ ۳۰ سال تک نہایت گہرائی اور سنجیدگی سے مطالعہ کیا ہے، اس کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان میں سے ۹۰ فیصد اختلافات فروعی ہیں یا پھر نزاع لفظی کی قبیل سے ہیں، دوسرا یہ کہ کسی ایک فرقہ کے تمام عقائد و اعمال سے از اول تا آخر اتفاق کرنا ذرا مشکل ہے، کیونکہ افراط وتفریط ہر طرف ہوئی ہے اور عصمت انبیاء کے لئے ہے"۔

بظاہر یہ بات آزاد خیالی پر مبنی معلوم ہوتی ہے، ضروری نہیں کہ ہمیں بھی استاذ محترم کی اس بات سے اتفاق ہو مگر ہمارے اتفاق یا اختلاف سے قطع نظر اگر بغور اس بات کا جائزہ لیا جائے تو کیا یہ امام غزالی کے مذکورہ بالا نظریات کی صدائے بازگشت نہیں معلوم ہوتی ؟؟؟

اللھم أرنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعه و أرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه اللھم آمین بجاہ سیدالمرسلین علیه الصلوٰۃ والتسلیم.

خلاصۂ بحث

(۱) حدیث افتراق امت تقریباً ۱۸ جلیل القدر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے اور صحت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے، اس کو امام ترمذی، ابن ماجہ، ابو داؤد، امام احمد اور حاکم نیشاپوری نے روایت کیا ہے۔ (۲) حدیث کے آخری جز ''**کلھا فی النار الاواحدۃ**'' پر سند کے اعتبار سے بعض علماء نے کلام کیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ جز بھی صحیح ہے یا پھر علی الاقل حسن ہے۔ (۳) بعض حضرات نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے کی کوشش کی ہے، ان کے دلائل نہایت سطحی ہیں لہٰذا ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ (۴) اس حدیث میں امت سے بعض حضرات نے امت دعوت مراد لیا ہے مگر یہاں امت اجابت مراد ہونا زیادہ صحیح ہے۔ (۵) حدیث کے الفاظ ثلاث وسبعین (۷۳) پر علماء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک اس سے بعینہٖ ۷۳ کا عدد مراد ہے اور بعض کے نزدیک یہ صرف مبالغہ اور کثرت کے لیے ہے، دوسرے والے موقف کو تسلیم کرنے میں ہمیں تأمل ہے۔ (۶) مشہور مستشرق گولڈ زیہر نے حدیث میں فرقہ کا معنی فضائل یا خوبیاں قرار دینے کی کوشش کی ہے مگر یہ بات بالکل پادر ہوا ہے۔ (۷) افتراق امت کے سلسلہ میں ایک دوسری حدیث بھی بعض کتب میں موجود ہے جس میں یہ ہے کہ ۷۲ فرقے جنتی ہوں گے اور ایک دوزخی ہوگا۔ مگر اکثر علماء کے نزدیک یہ موضوع ہے، بالفرض اگر موضوع نہ بھی ہو تو بہر حال بہت ضعیف ہے۔ (۸) حدیث کے الفاظ میں ''**کلھا فی النار**'' سے ''**خلود فی النار**'' نہیں بلکہ صرف ''**دخول فی النار**'' مراد ہے۔ (۹) اہل قبلہ کی تکفیر بہت نازک مسئلہ ہے اس میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے، حتی الامکان تاویل کر کے تکفیر سے زبان کو روکا جائے گا۔ (۱۰) فرقۂ ناجیہ کے علاوہ باقی فرقے گمراہ اور گمراہ گر ہوں گے، ان کے شر سے عوام کو متنبہ کرنے کے لیے ان کا رد وابطال کیا جانا ضروری ہے۔

☆☆☆

حواشی

(۱) آل عمران آیت:۱۳۰

(۲) الروم آیت:۳۲

(۳) ابن اثیر: الکامل فی التاریخ، ج۸/ص۹۸

(۴) قزوینی: آثار البلاد واخبار العباد:۲۱۲، دار العلم قاہرہ ۱۴۲۰ھ

(۵) جامع الترمذی : ابواب الایمان، باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامته

(۶) مرجع سابق

(۷) شرح الترمذی، الجزء العاشر ص۱۰۸، مطبعة الصاوی، القاہرہ، ۱۹۳۴ء

(۸) العواصم والقواصم بحوالہ مقدمہ الفرق بین الفرق: علامہ زاہد الکوثری ص۴، القاہرہ ۱۹۴۸ء

(۹) عبدالرحمٰن البدوی: مذاھب الاسلامیین، الجزء الاول، ص۳۳ دارالعلم للملائیین بیروت

(۱۰) مرجع سابق ص:۳۴

(۱۱) مرجع سابق، نفس الصفحہ

(۱۲) مرجع سابق، نفس الصفحہ

(۱۳) ڈاکٹر محمد عمارۃ: تیارات الفکر الاسلامی ص۳۵۲، دار الشروق قاہرہ، ۱۹۹۷ء طبع دوم

(۱۴) المومنون آیت:۴۴

(۱۵) البقرۃ آیت:۱۴۳

(۱۶) شرح العقائد العضدیة، ص: ۴، داراحیاء الکتب العربیة القاھرہ: ۱۹۵۱ء

(۱۷) شرح سفر السعادۃ ص:۱۹، ۱۷، افضل المطابع کلکتہ ۱۲۵۲ھ

(۱۸) مجموعۂ فتاویٰ عبدالحی : جلد ۱، ص:۹۳، مطبع یوسفی لکھنؤ:۱۳۱۴ھ

(۱۹) ترجمہ ملخصًا ابراء الذمة بتحقیق القول حول افتراق الامة ص:۳۰، دار الصفوۃ القاہرہ ۱۹۹۷ء

(۲۰) قضیة التکفیر فی الفکر الاسلامی ص:۵۴ مکتبة الایمان، القاہرہ ۲۰۰۴ء

(۲۱) مرجع سابق ص:۵۶

(۲۲) مرجع سابق ص:۵۷

(۲۳) ابن جوزی: تلبیس ابلیس ص:۱۸، مکتبة المتنبی، القاہرہ

(۲۴) الملل والنحل، ص:۹، المکتبة العصریة بیروت ۲۰۰۱ء

(۲۵) مرجع سابق ص:۱۰، ۱۱

(۲۶) تلبیس ابلیس ص:۱۹، مکتبة المتنبی، القاھرہ

(۲۷) شرح المواقف : تذئیل فی ذکر الفرق جز : ۸ مطبعة السعادۃ القاھرہ ۱۹۰۷ء

(۲۸) حاشیہ شرح عقائد العضدیة، ص:۱۸، از شیخ محمد عبدہ: داراحیاء الکتب العربیة القاھرۃ ۱۹۸۵ء

(۲۹) مرجع سابق،ص۲۹
(۳۰) حاشیہ شرح المواقف،ص:۳۷۵،جز:۸، القاہرہ ۱۹۰۷ء
(۳۱) اعتقادات فرَق المسلمین والمشرکین، ص:۱۱۷ مکتبہ کلیات الازہریة القاہرہ ۱۹۷۸ء
(۳۲) شرح العقائد العضدیة، ص۴، مطبع الاشرفی دیوبند
(۳۳) شرح سفر السعادة،ص:۱۹،۷، افضل المطابع کلکتہ،۱۲۵۲ھ
(۳۴) الحاقة: آیت:۳۲
(۳۵) مقدمہ الفَرق بین الفِرَق ازعلامہ زاہدالکوثری،ص:۴،القاہرہ،۱۹۴۸ء
(۳۶) لقمان:۷۲
(۳۷) التوبہ:۸۰
(۳۸) قضیة التکفیر فی الفکر الاسلامی ص:۵۴،مکتبة الایمان القاہرہ،۲۰۰۴ء
(۳۹) ترجمہ ملخصا: گولڈزیہر: العقیدة والشریعة فی الاسلام، ص:۱۸۷،عربی ترجمہ: ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر:دارالکتب الحدیثة القاھر
(۴۰) کشف الخفاء و مزیل الالباس ج:۱،ص:۶۹، مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۰۵ھ
(۴۱) الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الاکابر،ج:۲/ص:۱۲۳،مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ
(۴۲) کشف الخفاء وخزیل الالباس،ج:۱/ص:۶۹، بیروت ۱۴۰۵ھ
(۴۳) مرجع سابق
(۴۴) فردوس الاخبار،ج:۲،ص۶۳ حدیث نمبر ۲۳۵۹ دارالکتب العلمیة بیروت ۱۴۰۶ھ
(۴۵) مقدمہ التبصیر فی الدین،ص:۷،المکتبة الازھریة للتراث القاہرہ ۱۹۹۹ء
(۴۶) فردوس الاخبار،ج:۲،ص۶۴ حدیث نمبر ۲۳۶۰ دارالکتب العلمیة بیروت ۱۴۰۶ھ
(۴۷) الکامل فی ضعفاء الرجال،ج:۷،ص:۱۸۴،دارالفکر بیروت ۱۴۰۹ھ
(۴۸) مسند ابی یعلی،ج:۷،ص:۳۶،۱۵۴،حدیث نمبر ۳۹۴۴ اور ۱۴۲۷، دارالمامون للتراث دمشق ۱۴۰۴ھ
(۴۹) فصل التفرقة بین الاسلام والزندقة: مجموعہ رسائل امام غزالی،ص۲۴۷، دارالفکر بیروت ۱۹۹۸ء
(۵۰) احسن التقاسیم بحوالہ مقدمہ الفرق بین الفرق ازعلامہ زاہدالکوثری،ص:۴،القاہرہ ۱۹۴۸ء
(۵۱) کشف الخفا و مزیل الالباس،ج:۱،ص:۱۲۹،مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۰۵ھ
(۵۲) ابراء الذمة بتحقیق القول حول افتراق الامة،ص:۵۲،دارالصفوہ للطباعة ۱۹۹۷ء
(۵۳) التفرقة بین الاسلام والزندقة: مجموعہ رسائل امام غزالی،ص:۲۵۳،دارالفکر بیروت ۱۹۹۸ء
(۵۴) الموضوعات ج:۱،ص:۱۹۶، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۴۱۵ھ
(۵۵) مرجع سابق
(۵۶) کتاب المجروحین،ج:۳،ص۱۴۲،دارالوعی،حلب شام،سن ندارد

(۵۷) ضعفاء العقیلی، ج:۴،ص:۲۰۱،دارالکتب العلمیة **بیروت**۱۴۰۴ھ

(۵۸) لسان المیزان ج:۶،ص:۵۶،مؤسسته الاعلیٰ للمطبوعات، **بیروت ۱۴۰۶**ھ

(۵۹) المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع،ج:۱،ص:۸۰، مؤسسة الرسالة۱۳۹۸ھ

(۶۰) الاسرار المرفوعة ج:۱،ص:۱۶۱،دارالامانة **بیروت ۱۳۹۱**ھ

(۶۱) تنزیه الشریعة المرفوعة ج:۱،ص:دار العلمیة **بیروت ۱۳۹۹**ھ

(۶۲) اللؤ لؤ المرصوع ج:۱،ص:۶۶،دارالبشائر الاسلامیة۱۴۱۵ھ

(۶۳) اللا لی المصنوعة،ج:۱،ص:۲۴۸،دارالمعرفة **بیروت**

(۶۴) الفوائد المجموعة ج:۱،ص:۵۰۲،المکتب الاسلامی ۱۴۰۸ھ

(۶۵) صحیح البخاری: کتاب الرقاق: باب صفة الجنة و النار، **حدیث نمبر۶۰۶۵**

(۶۶) صحیح بخاری **حدیث نمبر۳۱، کتاب الایمان**

(۶۷) **سنن ابی داؤد: ج۳،ص۲۹۹، دارالفکر بیروت**

(۶۸) **النساء آیت۹۳**

(۶۹) مقالات الاسلامیین:ص۲،دار احیاء التراث،بیروت،الطبعة الثالثة

(۷۰) التبصیر فی الدین،ص:۱۰۳، المکتبة الازهریه للتراث، القاهره ۱۹۹۹ء

(۷۱) (الاعتقاد،ص ۲۳۵ :دارالآفاق الجدیدة **بیروت ۱۴۰۱**ھ

(۷۲) سنن البیهقی الکبریٰ،ج۱۰،ص۲۰۸ حدیث **نمبر۲۰۶۹۰، دارالباز، مکہ مکرمہ،۱۴۱۴ھ**

(۷۳) شرح سفر السعادة ص۱۹،**افضل المطابع،کلکتہ،۱۲۵۲**ھ

(۷۴) **مکتوبات امام ربانی: مکتوب نمبر۳۸، جلد سوم،ص:۶۷،مطبع نول کشور لکھنؤ**

(۷۵) **مرجع سابق:ص:۶۸**

(۷۶) شرح عقائد الجلالی،ص:۱۴،**مطبعہ علویہ لکھنؤ ۱۲۷۰**ھ

(۷۷) حل المعاقد فی شرح العقائد، ص:۱۴،**مطبعہ علویہ لکھنؤ ۱۲۷۰**ھ

(۷۸) **فتاویٰ عزیزیہ ص:۲۵،۲۶۔مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱**ھ

(۷۹) **مرجع سابق ص:۲۶**

(۸۰) **مرجع سابق ص:۲۷**

(۸۱) **مرجع سابق ص:۲۸**

(۸۲) **مجموعۂ فتاویٰ عبدالحی: جلد۱،ص۸۹: مطبع یوسفی: لکھنؤ،۱۳۱۴**ھ

(۸۳) **مرجع سابق،ص۹۴**

(۸۴) **شرح فقہ اکبر:ص:۱۹۹، مطبع الحنفی، لکھنؤ ۱۲۹۹**ھ

(۸۵) **افادة الافہام حصہ اول ص۳،۴، مطبع شمس الاسلام حیدرآباد ۱۳۲۵**ھ

(۸۶) مرجع سابق،ص۵

(۸۷) عکس مکتوب مولانا سید محمد مدنی میاں اشرفی مشمولہ ''مولانا انوار اللہ فاروقی شخصیت، علمی وادبی کارنامے''،از: ڈاکٹر محمد عبدالحمید اکبر،ص۳۳۲،۳۳۳،۳۳۴،مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد ۲۰۰۰ء طبع اول

(۸۸) مرجع سابق

(۸۹) مجموعۂ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۷:ص ۲۱۷،مکتبہ ابن تیمیہ القاہرہ

(۹۰) مرجع سابق،جلد:۳،ص:۳۵۱

(۹۱) شرح فقہ اکبر،ص:۱۸۹ مطبع الحنفی لکھنؤ ۱۲۹۹ھ

(۹۲) شرح المقاصد جلد۲:ص ۲۶۹:دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

(۹۳) شرح المواقف ص،۲۶۷:نول کشور لکھنؤ

(۹۴) شرح امقاصد:ج ۲/ص ۲۶۹،دارالمعرف النعمانیہ،لاہور،۱۴۰۱ھ

(۹۵) التفرقة بین الاسلام والزندقة،مجموعۂ رسائل الغزالی،ص:۲۴۷،دارالفکر بیروت

(۹۶) مرجع سابق

(۹۷) الاقتصاد فی الاعتقاد،ص:۱۲۶،القاہرہ ۱۹۶۲ء

(۹۸) مرجع سابق

(۹۹) شرح الفقہ الاکبر:ص ۱۹۷،مطبع الحنفی لکھنؤ:۱۲۹۹ھ

(۱۰۰) بحرالرائق:بحوالہ تصحیح المسائل از:مولانا فضل رسول بدایونی،ص:۲۲۲

(۱۰۱) مکتوبات امام ربانی:مکتوب نمبر ۳۸،جلد سوم،ص:۶۸،مطبع نول کشور لکھنؤ

(۱۰۲) شرح فقہ اکبر،ص:۱۸۹

(۱۰۳) مرجع سابق،ص ۱۹۷

(۱۰۴) شرح المقاصد جلد۲:ص ۲۶۹:دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

(۱۰۵) فتاویٰ عزیزی،ص:۴۳،مطبع مجتبائی دہلی

(۱۰۶) شرح المقاصد:۲:۲۷۰،دارالمعارف النعمانیہ،لاہور:۱۴۰۱ھ

(۱۰۷) المعتقد المنتقد،ص:۲۳۲،رضا اکیڈمی ممبئی،۲۰۰۱ء

(۱۰۸) مرجع سابق ص ۲۳۳

(۱۰۹) فصل التفرقة بین الاسلام والزندقة:مجموعۂ رسائل امام غزالی،ص:۲۳۸،دارالفکر بیروت

(۱۱۰) مرجع سابق

☆☆☆

مراجع ومصادر

(۱) قرآن کریم

(۲) آثار البلاد و اخبار العباد : **قزوینی**،دار العلم القاھرة۱۴۲۰ھ

(۳) ابراء الذمة بتحقیق القول حول افتراق الامة: **محمدابراہیم الحسنی الکتانی**،دارالصفوة القاھرہ ۱۹۹۷ء

(۴) ا حسن التقاسیم : **شمس الدین محمد بن احمد البشاری المقد سی**

(۵) الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة : **علی بن سلطان القاری**،دارالامانة بیروت ۱۳۹۱ھ

(۶) الاعتقاد: **ابوبکراحمد بن الحسین البیہقی** ،دارالآفاق الجدیدة بیروت ۱۴۰۱ھ

(۷) اعتقادات فرَق المسلمین والمشرکین: **فخرالدین رازی**، مکتبة کلیات الازھریة القاھرہ ۱۹۷۸ء

(۸) الاقتصاد فی الاعتقاد: **ابوحامدمحمدغزالی**،القاھرہ ۱۹۶۲ء

(۹) التبصیر فی الدین: **ابوالمظفر الاسفرائنی**،المکتبة الازھریہ للتراث، القاھرہ۱۹۹۹ء

(۱۰) تلبیس ابلیس: **ابن جوزی**،مکتبة المتنبی القاھرہ

(۱۱) تیارات الفکر الاسلامی: **محمدعمارہ**،دارالشروق القاھرہ۱۹۹۷ء

(۱۲) تنزیہ الشریعة المرفوعة: **ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی**،دار العلمیة بیروت ۱۳۹۹ھ

(۱۳) حاشیة شرح عقائد العضدیة: **شیخ محمدعبدہ**: داراحیاء الکتب العربیة القاھرہ۱۹۸۵ء

(۱۴) حاشیة شرح المواقف: **علامہ حسن چلپی**،القاھرہ ۱۹۰۷ء

(۱۵) حل المعاقد فی شرح العقائد: **عبدالحلیم فرنگی محلی، مطبع علویہ لکھنوَ** ۱۲۷۰ھ

(۱۶) سنن ابن ماجة: **محمد بن یزیدابوعبداللہ**:دار الفکر بیروت ۱۴۰۷ھ

(۱۷) سنن ابی داؤد: **سلیمان بن اشعث ابوداوَدسجستانی**،دارالفکر بیروت۱۹۹۳ء

(۱۸) سنن البیہقی الکبریٰ: **ابوبکراحمد بن الحسین البیہقی ،دارالباز مکہ مکرمہ**۱۴۱۴ھ

(۱۹) سنن الترمذی: **محمدابوعیسیٰ ترمذی**،دار احیاء التراث بیروت۱۹۹۸ء

(۲۰) شرح الترمذی :**ابوبکرابن العربی المالکی**: مطبعة الصاوی القاھرہ۱۹۳۴ء

(۲۱) شرح سفر السعادہ: **شیخ عبدالحق محدث دہلوی، افضل المطابع کلکتہ**۱۲۵۲ھ

(۲۲) شرح العقائد العضدیة، **جلال الدین دوّانی**،داراحیاء الکتب العربیة القاھرہ۱۹۵۱ء

(۲۳) شرح الفقہ الاکبر: **ملاعلی قاری، مطبع الحنفی لکھنوَ**۱۲۹۹ھ

(۲۴) شرح المقاصد: **سعدالدین التفتازانی**: دار المعارف النعمانیة، **لاہور**۱۴۰۱ھ

(۲۵) شرح المواقف: **سیدشریف جرجانی: نول کشور لکھنوَ**

(۲۶) صحیح البخاری: **محمد بن اسماعیل بخاری**،دار ابن کثیر بیروت۱۹۸۷ء

(۲۷) ضعفاء ا لعقیلی: **محمد بن عمروالعقیلی** :دارالکتب العلمیة بیروت۱۴۰۴ھ

(۲۸) العقيدة و الشريعة فی الاسلام: گولڈزیہر: عربی ترجمہ: ڈاکٹر علی حسن عبد القادر، دارالکتب الحدیثۃ القاھرۃ
(۲۹) العواصم و القواصم: ابن وزیر الیمانی
(۳۰) فتاویٰ عزیزیہ: شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ
(۳۱) فردوس الأخبار بماثور الخطاب: ابوشجاع شیرویہ، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۶ھ
(۳۲) الفَرق بين الفِرَق: ابومنصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی، دار الآفاق الجدیدۃ بیروت ۱۹۷۷ء
(۳۳) فصل التفرقة بین الاسلام و الزندقة: امام غزالی، دارالفکر بیروت ۱۹۹۸ء
(۳۴) الفوائد المجموعة: قاضی شوکانی، المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۸ھ
(۳۵) قضیۃالتکفیرفی الفکرالاسلامی: ڈاکٹر محمد احمد المسیر، مکتبۃ الایمان، القاھرہ ۲۰۰۴ء
(۳۶) الکامل فی التاریخ: ابن اثیر
(۳۷) الکامل فی ضعفاء الرجا ل: ابن عدی الجرجانی، دارالفکر بیروت ۱۴۰۹ھ
(۳۸) کتاب المجروحین: ابوحاتم محمد بن حبان: دارالوعی حلب شام (تحقیق محمود ابراہیم زاید)
(۳۹) کشف الخفاء و مزیل الالباس: العجلونی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ
(۴۰) اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة: جلال الدین السیوطی، دارالمعرفۃ بیروت
(۴۱) لسان المیزان: ابن حجر عسقلانی، مؤسسۃ الاعلیٰ للمطبوعات بیروت ۱۴۰۶ھ
(۴۲) اللؤلوء المرصوع: ابوالمحاسن محمد القاوقجی الطرابلسی، دارالبشائر الاسلامیۃ ۱۴۱۵ھ
(۴۳) مجموعۂ فتاویٰ ابن تیمیہ، مکتبہ ابن تیمیہ القاہرہ طبع ثانی
(۴۴) مجموعۂ فتاویٰ عبدالحی فرنگی محلی: مطبع یوسفی لکھنؤ، ۱۳۱۴ھ
(۴۵) مذاھب الاسلامیین: عبدالرحمٰن البدوی، دارالعلم للملائیین بیروت
(۴۶) مسند ابی یعلی: دارالمامون للتراث دمشق، ۱۴۰۴ھ
(۴۷) مسند احمد بن حنبل: مؤسسۃ القرطبۃ القاھرۃ
(۴۸) مسند الفردوس: ابونصر شہردار بن ابی شجاع شیرویہ الدیلمی
(۴۹) المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع: علی بن سلطان القاری، مؤسسۃ الرسالہ ۱۳۹۸ھ
(۵۰) المعتقدالمنتقد: فضل رسول بدایونی، رضا اکیڈمی ممبئ، ۲۰۰۱ء
(۵۱) مقالات الاسلامیین: ابوالحسن الاشعری: دار احیاء التراث بیروت، الطبعۃ الثالثۃ
(۵۲) مکتوبات امام ربانی: شیخ احمد سرہندی، مطبع نول کشور لکھنؤ
(۵۳) الملل و النحل: عبدالکریم شہرستانی، المکتبۃ العصریۃ بیروت، ۲۰۰۱ء
(۵۴) الموضوعات: ابن الجوزی، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۵ھ

☆☆☆

مؤلف ایک نظر میں

نام: اسید الحق محمد عاصم قادری

پیدائش: مولوی محلّہ بدایوں (یوپی)، ۲۳ر ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۶ر مئی ۱۹۷۵ء

والدگرامی: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری

جدمحترم: حضرت مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی ابن تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی ابن مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

تعلیم: (۱) حفظ قرآن

(۲) فاضل درس نظامی

(۳) فاضل دینیات الہ آباد بورڈ، اتر پردیش

(۴) فاضل ادب عربی الہ آباد بورڈ، اتر پردیش

(۵) الاجازۃ العالیۃ، شعبۂ تفسیر وعلوم قرآن، جامعۃ الازہر الشریف مصر

(۶) تخصص فی الافتاء، دارالافتاء المصریۃ قاہرہ مصر

(۷) ایم۔اے۔علوم اسلامیہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

مشغلہ: تدریس، تبلیغ، تحقیق، تصنیف

خادم التدریس مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں

ڈائرکٹر الازھرانسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز بدایوں

بانی رکن دی نیو ایج میڈیا اینڈ ریسرچ سینٹر دہلی

☆☆☆

قلمی خدمات

مقالات و مضامین: تقریباً پچاس مقالات و مضامین ہند و پاک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں:-

تصنیف:
(۱) حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں (مطبوعہ)
(۲) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ (مطبوعہ)
(۳) احادیث قدسیہ (مطبوعہ)
(۴) اسلام، جہاد اور دہشت گردی (زیر طبع)
(۵) اسلام اور خدمت خلق (زیر طبع)
(۶) جدید عربی محاورات و تعبیرات (زیر طبع)
(۷) تحفظ توحید کے نام پر کتب اسلام میں تحریف (زیر ترتیب)
(۸) مسائل تقلید و اجتہاد (زیر طبع)
(۹) خامہ تلاشی (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)

ترتیب و تقدیم:
(۱) تذکرۂ ماجد (مطبوعہ)
(۲) خطبات صدارت مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)
(۳) مثنوی غوثیہ مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)
(۴) علوم حدیث (مطبوعہ)
(۵) ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی (مطبوعہ)

ترجمہ، تخریج، تسہیل، تحقیق:
(۱) احقاق حق (فارسی) مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)
(۲) عقیدۂ شفاعت مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)
(۳) مناصحۃ فی تحقیق مسائل المصافحۃ (عربی) مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)
(۴) الکلام السدید فی تحریر الاسانید (عربی) مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)
(۵) تحفۂ فیض (فارسی) مولانا عبدالقادر بدایونی (زیر طبع)
(۶) طوالع الانوار (تذکرۂ فضل رسول) مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی (مطبوعہ)
(۷) اکمال فی بحث شد الرحال (فارسی) مولانا فضل رسول بدایونی (زیر طبع)
(۸) مکاتیب فضل رسول (فارسی) مولانا فضل رسول بدایونی (زیر طبع)